حرمت سود کے شرعی تقاضے اور شخصی رویے: سماجی ترقی کے تناظر میں تجزیاتی مطالعہ

The Shariah's demands for the Prohibition of Interest and Personal Behaviors: An Analytical Study in the Context of Social Development.

ڈاکٹر معظم علی

سی ٹی آئی(CTI) گورنمنٹ گریجوئٹ کالج راوی روڈ شاہدرہ، لاہور

alimoazzam91@gmail.com

0300-8648728(whatsapp), 0325-5323736

Abstract

The prohibition of interest (riba) represents one of the most profound and uncompromising injunctions in the Shariah, designed to safeguard economic justice, moral equilibrium, and the spiritual integrity of human society. This analytical study examines the demands of the Shariah regarding the prohibition of riba and the regulation of personal behaviors, situating them within the broader discourse of social development in contemporary Muslim societies. The research posits that the Shariah's command to eliminate interest is not merely an economic directive but an all-encompassing ethical, social, and psychological reform, aimed at establishing a moral foundation for collective welfare and distributive justice. Through a critical analysis of Qur'anic injunctions, Prophetic traditions, juristic interpretations, and modern socio-economic realities, the study reveals that the prohibition of interest functions as both a spiritual safeguard against greed and an institutional mechanism for equitable wealth circulation.

Therefore, the prohibition of interest is both a moral command and a developmental strategy. It is designed to restore balance between material and spiritual life, between individual and society, and between wealth and justice. Its realization in the modern world requires not only legislative measures and financial restructuring but also a profound renewal of human consciousness. When individuals internalize the ethical vision of the Shariah recognizing wealth as a trust, trade as service, and profit as responsibility, the dream of an equitable, interest-free society becomes a tangible reality. Such a society, rooted in taqwa, compassion, and cooperation, embodies the very essence of Islamic social development: a civilization that harmonizes faith with justice, and prosperity with moral integrity.

Key words: Prohibition, social development, Taqwa, co-operation and moral integrity.

تعارف:

ربا، سود اور انٹرسٹ(Interest) الفاظ عمومی طور پر باہمی مترادفات کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں جن کا لغوی معنی بڑھوتری، زیادتی، یا اونچا ہونا ہے، جبکہ اصطلاحی معنی سے مراد وہ زائد رقم جو قرض دہندہ، قرض خواندہ سے اپنی من مانی شرائط وضوابط اور وقت طے کرنے کے بعد یکمشت یا اقساط کی صورت میں ادائیگی یا ادائیگی میں تاخیر ہونے کی صورت میں مزید اضافہ شامل کر کے وصول کرتا ہے سود کی زُمرے میں آتی ہے۔

انسان کے باہمی لین ودین کے معاملات میں سود کا عمل ودخل اگر ایک طرف آسان منافع کا حصول یقینی بناتا ہے، بظاہر خوشحالی کا ضامن دیکھائی دیتا ہے تو دوسری طرف دونوں فریقین کے لیے کوہ گراں کے مانند ہوتا ہے کہ اس کے سبب اعمال نامہ میں جو گناہ شامل ہوتے جارہے ہیں، ان کا بوجھ اٹھانا کسی کے بس کی بات نہیں کیونکہ ایک طرف جہاں اس کے ذریعے ضرورت مند کی حاجات سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے، اس کا مالی وجسمانی استحصال کیا جاتا ہے، رشتے وناطوں میں لالچ اور خود غرضی کے درآنے کے باعث ہمدردی اور اخوت جیسے احساسات کا گلہ دبا دیا جاتا ہے کہ فریق مخالف کو خود کے منافع سے غرض ہوتی ہے اور کار دیگر بیکار است شمار کئے جاتے ہیں تو دوسری طرف خالق ومالک دوجہاں کے ساتھ کھلی جنگ کا اعلان بھی ہے کہ ایسا عمل کرنے والا رب ورسول اللہ ﷺ سے برملا جنگ کا اعلان کررہا ہے۔ لہذا جس فعل کو شریعت اسلامیہ انتہائی سنگین جرم قرار دے رہی ہے۔ ملت اسلامیہ کے افراد کا اسی میں لت پت ہونا وجود معاشرہ پر ایک بڑا سوالیہ نشان لگاتا ہے کہ ایسے سماج میں امن واستحکام کیسے قائم

ہو سکتا ہے؟لہذا پیشِ نظر مقالہ میں انہی پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے گا کہ سب سے پہلے حرمت سود کے حوالے سے قرآن وسنت میں کس قدر کراہت کا ظہار فرمایا گیا ہے، اس کو بیان کیا جائے گا۔ پھر ملک پاکستان میں عدالتی سطح پر جاری کردہ احکامات اور ان احکامات کی روشنی میں عملی میدان میں اطلاقی پہلوؤں کا مختصر سا تذکرہ کیا جائے گا اور آخر میں تجاویز وسفارشات کو بیان کیا جائے گا کہ اس قلمی کاوش کو ثمر بار بنایا جاسکے اور قارئین کے لیے استفادہ کا باعث بنے لہذا درجہ ذیل میں قرآن وسنت میں بیان کردہ نقطہ نظر کو سپردِ قلم کیا جارہا ہے۔

1۔ قرآن وسنت کی روشنی میں:

اسلامی نظامِ معیشت کا مقصد دولت کی منصفانہ تقسیم، باہمی تعاون، اور اخلاقی اصولوں پر مبنی مالیاتی توازن قائم کرنا ہے۔ سود (ربا) اس نظام کی روح کے منافی ہے، کیونکہ یہ غیر منصفانہ مالی نفع، استحصال اور طبقاتی تفاوت کو جنم دیتا ہے۔ جبکہ سود کی مثال ایک امر بیل کے جیسی ہے کہ جو ایکبار پھیلنا شروع ہو جائے تو حدود میں رکھنا ناممکن ہو جاتا ہے اور یہ ہر طرف اپنی شاخیں پھیلاتی چلی جاتی ہے حتی کہ اُس درخت کا وجود ثانوی حیثیت اختیار کر جاتا ہے اور ہر سُو امر بیل ہی دیکھائی دینے لگتی ہے جس کی خوراک کا محور و مرکز بھی وہی شجر ہوتا ہے جس پر اس نے قبضہ کیا ہوتا ہے یہی حال سود کا بھی ہے کہ اس کا آغاز کسی ضرورت وحاجت کے تحت ہوتا ہے لیکن جب متعین حدود سے باہر نکل جاتا ہے تو اِسے واپس لوٹا پانا ممکن نہیں ہوتا پھر انسان بے بس ہوتا چلا جاتا ہے اور ساری زندگی اسی گھن چکر میں گزر جاتی ہے کہ سودی رقم کی ادائیگی مکمل ہو تو راس المال کو ادا کیا جائے اور قرض کے شکنجے سے آزادی ملے۔ اسی لیے سود کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ استحصالی نظام کو بنیاد فراہم کرتا ہے جس کے اوپر انسانیت سسکتی رہتی ہے اور قرض دہندگان منافع کے حصول کی خاطر احساسات وجذبات کو پاؤں تلے روندتے چلے جاتے ہیں لہذا قرآن وسنت کا نقطہ نظر ہے کہ سود نہ صرف حرام ہے بلکہ اسے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف اعلانِ جنگ کے مترادف ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے کہ

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۚ[1]

پھر اگر تم ایسا نہیں کروگے تو اللہ اور اللہ کے رسول (ﷺ) کی طرف سے لڑائی کا یقین کرلو

یہ وعید ظاہر کرتی ہے کہ سودی نظام اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے خلاف ایک اعلانِ جنگ کے مترادف ہے ۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی شریعت میں سود کی حرمت نہ صرف مالی اعتبار سے بلکہ اخلاقی، روحانی اور معاشرتی اعتبار سے بھی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

1۔ مخبوط الحواس بنادینا:

سود کھانے والے کے بارے میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اس کی نحوست کے سبب وہ انسان مخبوط الحواس ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ[2]

وہ جو سُود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنادیا ہو۔

2۔ بیع اور ربا میں تفاوت:

جو لوگ کاروباری معاملات میں سود کو تجارتی معاہدات میں شمار کرتے ہیں انہیں آگاہ کیا گیا ہے کہ بیع اور سود دونوں متضاد ذرائع معاش ہیں لہذا ایک جو جائز اور دوسرے کو ناجائز ٹھرایا گیا ہے جیسا کہ فرمان عالیشان ہے کہ

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰواۘ-وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰواؕ[3]

اس لیے کہ انہوں نے کہا بیع بھی تو سُود ہی کے مانند ہے اور اللہ نے حلال کیا بیع اور حرام کیا سُود

1۔ البقرۃ 2: 279

2۔ ایضاء:275

3۔ ایضاء

یہ آیات سود کو شیطانی عمل قرار دیتی ہیں اور اس کی حرمت کو قطعی بناتی ہیں۔

استحصال سے ممانعت:

قرض دینے کی غرض سے اپنے منافع کو کئی گنا بڑھانے والوں کو متنبہ فرمایا گیا ہے کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً۪- وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [4]

اے ایمان والو سود دونا دون نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو اُس امید پر کہ تمہیں فلاح ملے

یہ آیت سود کے بڑھتے ہوئے نظام کی مذمت کرتی ہے جو دولت کے غیر منصفانہ ارتکاز کو فروغ دیتا ہے ۔

3۔ قبولیت وعدم قبولیت کا پیمانہ:

بار گاہِ الٰہی میں قبولیت وعدم قبولیت کا پیمانہ طے فرمادیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کس کے مال کو شرف قبولیت عطا فرمائے گا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ

وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِيْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ-وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ [5]

اور جو مال تم (لوگوں کو) دو تا کہ وہ لوگوں کے مالوں میں بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو تم اللہ کی رضا چاہتے ہوئے زکوٰۃ دیتے ہو تو وہی لوگ (اپنے مال) بڑھانے والے ہیں۔

قرآن حکیم واضح کرتا ہے کہ سود کے ذریعے حاصل ہونے والا اضافہ اللہ کے نزدیک بے قدر ہے اس کے سبب نہ تو اجر وثواب میں اضافہ ہونے والا ہے اور نہ اِسے خدمت خلق کے زُمرے میں شمار کیا جاتا ہے کہ لوگ ایسا تصور قائم کرلیں کہ اس کے بدلے میں وہ دوسرے لوگوں کی بھلائی کر رہے ہیں جبکہ حقیقت حال اس کے برعکس دیکھائی دیتی ہے کہ رب تعالی کی بار گاہ میں ایسے عمل کے باعث کسی بھی طرح کے اجر وثواب میں اضافہ نہیں ہو رہا کیونکہ سود شرعی کے ساتھ اخلاقی اصولوں سے بھی متصادم ہے۔

سنتِ نبوی ﷺ سے دلائل

سودی عمل کی لعنت:

سودی معاملات میں سہولت کاری اور شرائط وضوابط طے کرنے والوں کے لیے سخت وعید فرمائی گئی ہے / جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

لَعَنَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ الربا، وموكله، وَكَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ، وَقَالَ :هُمْ سَوَاءٌ [6]

رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا: (گناہ میں) یہ سب برابر ہیں

یہ حدیث سودی نظام سے وابستہ تمام افراد کی مذمت کرتی ہے، جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ اسلام کسی بھی شکل میں سودی نظام کی تائید نہیں کرتا۔

سود کی شدت:

سود کھانے کے عمل کی قباحت ایسی ہے کہ جیسے ایک فرد حرام کاری کے فعل میں مبتلا ہو جائے جیسا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

دِرْهَمٌ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ، أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلَاثِينَ زَنْيَةً [7]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" :جو آدمی دانستہ طور پر ایک درہم سود کھاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں (اس کا یہ جرم) چھتیس دفعہ زنا کرنے سے سنگین ہے

یہ حدیث سود کے اخلاقی قبح اور اس کے روحانی نقصان کی شدت کو واضح کرتی ہے۔

4۔ آل عمران 3: 130

5۔ الروم 30: 39

6۔ مسلم بن حجاج القشیری۔ صحیح مسلم۔ بیروت: دار احیاء التراث العربی 1374ھ۔ ج3، ص1219، رقم الحدیث 1598۔

7۔ امام احمد بن حنبل۔ مسند احمد۔ ناشر: موسسۃ الرسالہ 1421ھ۔ ج36، ص288، رقم الحدیث 21975

سود کے درجات:

سود کی نحوست سے انسان جن گناہوں میں مبتلا ہو سکتا ہے ان میں سب سے چھوٹا جرم محرمات سے جنسی تعلق قائم کرنے کو شمار کیا گیا ہے۔ جس سے جرم کی نوعیت کو بآسانی طے کیا جا سکتا ہے کہ ایسے مجرم کو کس قدر بھیانک وخوفناک سزاؤں کا سامنا کرنا ہو گا

الرِّبَا سَبْعُونَ حُوبًا، أَيْسَرُهَا أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ [8]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سود ستر گناہوں کے برابر ہے جن میں سے سب سے چھوٹا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے نکاح کرے

یہ حدیث سود کے انتہائی گھناؤنے اور مکروہ پہلو کو واضح کرتی ہے، جس کی بدترین مثال نبی ﷺ نے بیان فرمائی۔

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ سود! قرآن وسنت میں کسی بھی درجہ پر قابل قبول نہیں اور سود کھانے والے انتہائی گھناؤنے فعل کا مرتکب کرتے ہیں۔

2۔ حرمتِ سود کے حوالے سے حکومتی اقدامات اور عدالتی فیصلوں کا مختصر سا تذکرہ

اب بحث کا رخ حکومتی وعدالتی سطح پر ابھی تک کے اٹھائے گئے اقدامات کی طرف موڑتے ہیں تاکہ ملکی سطح پر سود کے حوالے سے پائی جانے والی سنجیدگی کا اندازہ لگایا جاسکے اور طے کیا جاسکے کہ مسائل کے حل میں بنیادی رکاوٹ کہاں پر کھڑی کی گئی ہے؟

آئینی وقانونی بنیاد:

پاکستان کے آئین میں اسلامی اصولوں کے نفاذ کے لیے واضح ہدایات دی گئی ہیں جیسا کہ آئینِ پاکستان 1973ء کی دفعات و آرٹیکل 38(الف) کے مطابق ریاست کو سود کے خاتمے کے لیے اقدامات کرنے کا پابند بناتا ہے تاکہ معیشت کو اسلامی بنیادوں پر استوار کیا جا سکے جس سے واضح ہوتا ہے کہ سود کے خاتمے کو محض مذہبی نہیں بلکہ آئینی تقاضا بھی قرار دیا گیا ہے اور اسی طرح وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے (1991ء، 2019ء، 2022ء) کے تحت وفاقی شرعی عدالت نے 14 نومبر 1991ء کو اپنے تاریخی فیصلے میں سود کو صریحاً حرام قرار دیا اور حکومت کو ہدایت کی کہ تمام سودی قوانین کو اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ کیا جائے۔ عدالتی ہدایات میں واضح کہا گیا کہ "تمام وہ قوانین جو سودی لین دین کی اجازت دیتے ہیں، قرآن وسنت کے منافی ہیں اور ان میں اصلاح ناگزیر ہے"۔ اس فیصلے کے خلاف بعض مالیاتی اداروں نے سپریم کورٹ شریعت اپیلیٹ بینچ میں اپیل دائر کی۔

سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بینچ نے (جس میں جسٹس محمد تقی عثمانی بھی شامل تھے) وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو برقرار رکھتے ہوئے کہا کہ "اسلام میں سود کی کوئی گنجائش نہیں، خواہ وہ تجارتی، بینکاری یا حکومتی قرضوں سے متعلق ہو" حکومت کو 30 جون 2001ء تک تمام مالیاتی نظام کو سود سے پاک بنانے کا حکم دیا گیا جسے بعد ازاں، حکومتِ پاکستان اور بعض بینکوں کی نظرِ ثانی اپیلوں کے نتیجے میں سپریم کورٹ نے 24 جون 2002ء کو سابقہ فیصلہ منسوخ کر کے مقدمہ دوبارہ وفاقی شرعی عدالت کو بھیج دیا۔

یہ فیصلہ دراصل عالمی مالیاتی دباؤ اور انتظامی سطح پر موجود پیچیدگیوں کے باعث مؤخر کیا گیا لیکن 12 مئی 2022ء کو وفاقی شرعی عدالت نے دوبارہ تاریخی فیصلہ دیتے ہوئے اعلان کیا کہ "پاکستان میں تمام اقسام کا سود (Interest, Usury, Riba) قرآن وسنت کے خلاف ہے" عدالت نے حکومت کو ہدایت دی کہ 5 سال (یعنی 2027ء تک) سودی نظام کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے اور حکومتِ پاکستان و اسٹیٹ بنک، اسلامی بینکاری نظام کے فروغ کے لیے مربوط منصوبہ بندی کو بروئے کار لاتے ہوئے اقدامات اٹھائیں۔ تمام مالیاتی ادارے، بشمول نیشنل بینک، اسلامی متبادل نظام اختیار کرنے کو یقینی بنائیں۔

حکومتِ پاکستان کے عملی اقدامات: مندرجہ ذیل اقدامات کیے گئے

اسلامی بینکاری کا فروغ:

عدالتی احکامات کے پیش نظر رکھتے ہوئے حکومتی سطح پر اسلامی بنکاری کے فروغ کے لیے مختلف عملہ اقدامات اٹھائے گئے جیسا کہ 2002ء میں اسٹیٹ بینک نے Islamic Banking Department قائم کیا۔ جس کے مطابق 2022ء تک ملک میں اسلامی بینکاری کا حصہ کل بینکاری نظام کا تقریباً 20 فیصد ہو چکا تھا۔

8۔ ابو عبد اللہ محمد یزید۔ سنن ابن ماجہ۔ ناشر دار احیاء الکتب العربیہ۔ فیصل عیسیٰ البابی الحلبی۔ ج2، ص764، رقم الحدیث 2274۔

نئے مالیاتی آلات(Shariah-Compliant Instruments):

بنکاری نظام کو شرعی اصولوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے اسلامی بانڈز(سکوک) کا اجرا کرنے کے ساتھ ساتھ کاروباری اور سرمایہ دار افراد کے لیے مضاربہ (Mudarabah Certificates)اور اجارہ(Ijara Financing) جیسے عوامل کو بروئے کار لانے کی ترغیب دی گئی۔مزید براں حکومتی پالیسی اعلانات میں2022ء کے بعد وزارتِ خزانہ نے اعلان کیا کہ حکومت، اسٹیٹ بینک اور نیشنل بینک فیصلہ واپس نہیں لیں گے بلکہ اسلامی بینکاری نظام کی طرف مرحلہ وار منتقلی کریں گے۔جس کی تائید میں اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات جیسا کہ سودی نظام کے خاتمے کے لیے مرحلہ وار منصوبہ بندی کی مختلف تجاویز اور زکوٰۃ، مضاربت، مشارکت، تکافل، وقف اور قرضِ حسنہ کے نظام کو فعال بنانے پر زور دینا وغیرہ بھی شامل حال رہیں جن میں عدالتی مطالبات و تجاویز کی روشنی میں سودی نظام کو ختم کرنے کے لیے قانونی، مالیاتی، اور انتظامی اصلاحات کی ضرورت کو بھی مقدم رکھا گیا اور حکومت اور پارلیمنٹ کو نئے شریعت مطابقت قوانین مرتب کرنے کی تاکید بھی کی گئی تاکہ عوام میں اسلامی مالی شعور پیدا کرنے کے لیے تعلیمی و میڈیا مہمات کے ذریعے آگاہی مہم کا آغاز بھی کیا گیا۔

لہٰذا مختصراً کہا جائے تو پاکستان میں سود کے خاتمے کے حوالے سے آئینی، عدالتی اور حکومتی سطح پر قابلِ قدر اقدامات کیے گئے، مگر عملی طور پر مسائل موجود رہے۔وفاقی شرعی عدالت کے 2022ء کے فیصلے نے ایک نئے سنگِ میل کی بنیاد رکھی جس کے تحت 2027ء تک مکمل اسلامی مالیاتی نظام کی طرف منتقلی لازمی قرار پائی ہے۔یہ فیصلہ نہ صرف پاکستان کے آئینی و دینی تشخص کا مظہر ہے بلکہ عالمی سطح پر اسلامی معاشی اصولوں کے فروغ کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے لیکن ان تمام عوامل کی موجودگی میں ایک اور نہایت اہم پہلو کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ حکومتی، عدالتی اور بنکاری نظام میں اس قدر اصلاحات کو نافذ کرنے کے باوجود بنیادی مسئلہ جوں کا توں ہی کیوں دیکھائی دیتا ہے۔مقالہ نگار کے نقطہ نظر میں اس کے پس منظر میں مندرجہ ذیل وجوہات کا بھی اہم کردار ہو سکتا ہے تاکہ اربابِ حل و عقد کی توجہ اس طرف بھی مرکوز کروائی جاسکے جن میں سے سود کے بارے میں عمومی نقطہ نظر یہ ہے کہ

سود بطور ذریعہ آمدن!

ایک ذریعہ آمدن گردانا جاتا ہے کیونکہ جو اس ذریعہ سے مستفید ہوتے ہیں اُن کے لیے منافع کا سبب اور جو افراد اِسے احکام الٰہیہ کے برخلاف گردانتے ہیں، ان کے مطابق ہلاکت کا باعث تسلیم کیا جاتا ہے۔ماہرین معاشیات کے نزدیک سودی لین و دین افراد کا باہمی معاملہ ہے جبکہ مبلغین مذہب اسے الٰہی جنگ سے تعبیر کرتے ہیں۔اگر ماہرین کو باور کروایا جائے کہ سود، گردش دولت میں پھیلاؤ نہیں بلکہ سکڑنے کا سبب بنتا ہے تو داعیین کی فکر سے ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے کیونکہ معاشی اعداد و شمار میں اضافہ دولت کے بڑھنے کا اشاریہ ظاہر کرتا ہے جبکہ نقصان ہونے کی صورت میں معاشی اشاریے گھٹنے لگتے ہیں کیونکہ اہلِ معیشت ظاہر بین اور حقیقت بر مبنی شواہد پر اعتبار کرتے ہیں، انہیں الٰہی قوانین، احساس ہمدردی، کمزور طبقوں کے حقوق جیسے عوامل جاذب نظر (پُرکشش) دیکھائی نہیں دیتے۔اس لیے اُن کا قوتِ غیبی پر بھروسہ بھی کامل صورت میں نہیں ہوتا۔دوسرا چونکہ وہ فی الوقتی اور قلیل مدتی منصوبوں پر عمل پیرا ہو کر ارتکاز دولت پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں لہٰذا دنیوی لحاظ سے دوررس نتائج اور افرادی لحاظ سے اجر و ثواب کے عناصر نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔

فہم عام کا دور دورہ ہے کہ سود دو افراد کے باہمی معاملہ سے تعلق رکھتا ہے کہ جس شرح پر وہ چاہیں معاہدہ کرلیں لیکن شریعت اسلامیہ بالعموم تمام انسانوں کو اور بالخصوص اہل ایمان کے باہمی معاملات پر گہری نظر رکھتی ہے اور اس کی بنیادی وجہ سماجی زندگی اور آپسی امور پر مودّت و اخوت کے تار و پود باہم جوڑے رکھنا مقصود ہوتا ہے جبکہ سود ان سب امور میں افتراق پیدا کرنے کا پہلا اور بنیادی عنصر شمار کیا جاسکتا ہے کہ جب ایک فرد کسی ضرورت کے تحت کسی دوسرے فرد کے پاس درخواست لے کر جاتا ہے تو درخواست گزار کو ایک دوست، ہمنوا یا مجبور و لاچار انسان تصور کرنے کی بجائے ایک صارف (کسٹمر) کے طور پر لیا جاتا ہے کہ اب اس سے مختلف حیلے و بہانوں سے منافع کمانے کا وسیلہ پیدا ہو گیا ہے جبکہ اسلام اس کے برعکس نقطہ نظر کا داعی ہے کہ ایک طرف جہاں اُس حاجت مند کی ضرورت کو جائز طریقے سے پورا کرنے کا بندوبست کرتا ہے، ساتھ ہی شراکت و مضاربت و دیگر شرعی ذرائع سے آمدن کے حصول کے وسائل بھی پیدا کرتا ہے تاکہ ایک فرد اپنا سرمایہ استعمال کرے تو دوسرے فرد کو بھی ایک حد کے اندر رہتے ہوئے روزگار مہیّا کیا جاسکے اور ساتھ ساتھ معاہدات و گواہان کی موجودگی اُسے پابند کرتی ہے کہ وہ قرض لوٹانے کی جلد از جلد کوشش کرے تاکہ سرمایہ دار کا سرمایہ بھی محفوظ رہے اور اعتماد بھی قائم رہے۔

کار ہائے دیگر کی طرح مقامی سطح پر طے شدہ اصول وضوابط کے مطابق سرزنش کا کامل بندوبست کیا جانا چاہیے کیونکہ سرمایہ دار کو سرمائے اور ذاتی تحفظ ہی مقدم ومؤقر ہوتا ہے۔ بصورت دیگر دیکھا جائے تو ایک فرد جو کہ سماج کی اکائی ہے جب مکڑی کے جال کی طرح بُنے ہوئے اس نظام میں پھنستا ہے تو پھر اُسے نکلنے کی کوئی صورت دیکھائی نہیں دیتی اور امر بیل کی طرح یہ نظام پھیلتا چلا جاتا ہے۔ سرمایہ دار کو صرف اتنی یقین دہانی کروانی ضروری ہے کہ سود کی صورت میں دولت بظاہر بڑھتی ہوئی دیکھائی دیتی ہے مگر حقیقت حال کے مطابق گھٹتی رہتی ہے کیونکہ مثال کے طور پر دس(10) صارف سے ایک سو(100) روپے سود اکٹھا کیا جائے تو ایک ماہ کا ایک ہزار(1000) روپے بن جاتا ہے اور اگر یہی سلسلہ سال بھر بھی چلتا رہے تو ایک لاکھ بیس ہزار روپے سالانہ بنیں گے مگر یہ ایک آئیڈل صورت حال گردانی جاسکتی ہے جس میں سبھی افراد ہر ماہ باقاعدگی سے سود کی قسط ادا کرتے رہیں اور کسی بھی طرف سے کوئی تاخیر نہ ہوتی ہو لیکن یہ سب ایک ساتھ یکساں رفتار سے نہیں چلتا کیونکہ کسی بھی ایک فرد کی مالی حالت دگرگوں ہوئی تو سلسلہ ٹوٹنے لگے گا اور جو تسلسل قائم ہوا تھا اس میں رکاوٹ آجائے گی۔ اسی طرح اگر یہی مسلہ تین، پانچ، سات یا نو افراد کے ساتھ پیش آگیا تو سود خور کا بظاہر سود بڑھتا نظر آئے گا مگر جنھوں نے وہ رقم ادھار لی ہو گی اُن کے لیے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ادائیگی مشکل سے مشکل تر ہوتی جائے گی جس کے سبب قرض دہندہ کے لیے بھی مشکلات وپریشانیاں بڑھتی چلی جائیں گی تو جہاں وہ دس افراد معاشی بدحالی کا شکار ہوتے ہیں وہیں ذہنی وجسمانی عارضوں میں بھی مبتلا ہونے لگتے ہیں کیونکہ انہوں نے لامحالہ سود کی قسط بہر صورت ادا کرنی ہے تاکہ مزید سود نہ بڑھنے پائے اور اصل رقم کی ادائیگی میں پیشرفت کو ممکن بنایا جاسکے جبکہ وہ سالہا سال اسی گنجلک کی نظر کر دیتے ہیں اور جان خلاصی ہوتی نظر نہیں آتی جس کے ساتھ ہی سود خور کے لیے مسائل پیدا ہونے لگتے ہیں۔ پھر جب تاخیر وتاویل اور حیل وحجت کی نوبت آتی ہے تو آپس کے تعلقات بد سے بدتر ہونے لگتے ہیں اور سماج کے تار وپود بکھرنے لگتے ہیں اس لیے سود سے ممانعت برتی گئی ہے کیونکہ یہ رشتوں سے احساس، ہمدردی اور اخوت کو ختم کر دیتا ہے اور خودغرضی، سقاوت قلبی اور لالچ کو بڑھاوا دیتا ہے جو سماجی وجود کو گھن کی طرح کھانے لگتا ہے اور بالآخر تباہی وبربادی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا کیونکہ اس کے پس منظر میں ایک بھیانک فکر کارفرما ہوتی ہے کہ

سرمایہ ! دین ومذہب سے جدا است:

سرمایہ کا کوئی قوم، قبیلہ، ملک وسلطنت یا وطن اور رنگ ونسل وذات اور ومذہب وملت ومسلک نہیں ہوتا۔ یہ مثل ایک زرّہ بے نشان پڑا رہتا ہے جب تلک کسی کی گرفت میں نہیں آجاتا اور جب یہ کسی کی گرفت میں آجاتا ہے تبھی طے کیا جانا ممکن ہو پاتا ہے کہ اس کی سمت کیا ہو گی کہ اس کا استعمال درست انداز میں کیا جائے گا اور دوسروں کے لیے راستے آسان بنائے جائیں گے یا اس کا استعمال غلط انداز میں کر کے اپنے ہی سماج کے لوگوں کی زندگیاں اجیرن کر دی جائیں گی کیونکہ مذکورہ سابقہ سبھی سرمایہ دار کے ذاتی رجحانات پر انحصار کرتا ہے اور اگر شخصی رجحانات ومیلانات راس المال کے ساتھ تجارت، کاروبار یا قرض کا لین دین دیگر معاملات کی طرف رغبت رکھتے ہیں تو فرد کو سودی کاروبار اور اُس کے نقصانات سے بچنے کے لئے آسانی کے ساتھ جلد ہی قائل ومائل کیا جاسکتا ہے اور اگر معاملات اس کے برعکس ڈگر پر چل رہے ہوں تو پھر سرمایہ دار کی فکر ونظر میں تغیّر پیدا کرنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے لہذا داعیین کو یہ پہلو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ سرمایہ بذات خود کسی بھی فکری رجحان کی طرف رغبت نہیں رکھتا، یہ سب اس کا مالک ہی طے کرتا ہے کہ سرمایہ خرچ کرنے کی سمت کیا ہو گی لہذا سرمایہ کی سمت درست کرنے کی بجائے سرمایہ دار کو ہدف بنایا جائے تاکہ اُس کی اصلاح ممکن بنائی جاسکے تبھی سرمایہ اپنی صحیح راہ کی طرف رُخ موڑ سکے گا بصورت دیگر تمام کار، کار بیکار است اور اس اختلاف بنیادی یہی ہے کہ

بنیادی اختلاف: فکر ونظر کا تضاد

ایک اکانومسٹ اور ایک مذہبی تعلیمات حاصل کرنے والے فرد کی فکر ونظر میں بنیادی تضاد، اختلاف فکر کا ہی ہوتا ہے کیونکہ اکانومسٹ اُن علوم وفنون سے ہٹ کر تعلیم حاصل کرتا ہے جنھیں داعی دین نے ازبر کیا ہوتا ہے۔ لہذا اکانومسٹ کے پیش نظر سرمایہ کی بڑھوتری اور اُسکا تحفظ مقدم ہوتا ہے جبکی دوسری طرف ایک عالم دین نے مذہبی لٹریچر جس میں فرامین نبوی ﷺ سیرت نبوی ﷺ کی صورت میں اور آثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم بھی شامل ہوتے ہیں کو نصابی شکل میں پڑھا ہوتا ہے لہذا دونوں کی فکر ونظر مختلف ومتضاد راستوں پر چل کر پروان چڑھی ہوتی ہے جس کے سبب مطابقت پیدا کرنے میں خاصی دشواری پیش آتی ہے۔ اور اسی کے ساتھ ایک اور نقطہ نظر بھی اس معاملے میں بڑی رکاوٹ کے طور پر حائل ہوتا ہے جس کا تعلق سود سے جڑے ہوئے سٹیک ہولڈرز کے مفادات واختیارات سے ہے کیونکہ عمومی طور پر سود کے حوالے سے بحث دین اسلام کے نقطہ نظر سے کی جاتی ہے لہذا ایسے سرمایہ دار جو مسلمان ہیں انہیں قائل کرنا آسان ہو سکتا ہے کہ یہ فعل اسلامی تعلیمات کے برخلاف

ہے لیکن غیر مسلم سرمایہ داروں سے امید وتوقع رکھنا عبث ہے کیونکہ جو اسلام کو تسلیم نہیں کرتے وہ احکام اسلام کو کیا فوقیت واہمیت دیں گے لہذا سودی معاملات میں حکومتی یا مقامی سطح پر کشش و پیچ کا بنیادی مرکز فکری اختلاف بھی ہے کہ ایک مسلمان سود کو اسلامی تناظریں دیکھتا و پر کھتا ہے جبکہ دیگر تمام افراد معاشرہ اُسے ایک ذریعہ آمدن کے طور پر زیر بحث لاتے ہیں کیونکہ سرمایہ کا کوئی دین و مذہب نہیں ہوتا، اُسے صرف مالک کے ذاتی مفادات مقدم ہوتے ہیں جن کا تحفظ مختلف اقدامات کے ذریعے ہر صورت یقینی بنایا جاتا ہے لہذا جب تک ایک متوازی نظام تشکیل نہیں دے لیا جاتا اور اُس کے مثبت اثرات اجتماعی طور پر لوگوں کے سامنے نہیں آجاتے، کسی بھی سرمایہ دار کے اعتماد کو بحال کرنا اور قائم رکھنا ممکنات میں سے نہیں۔

تجاویز و سفارشات:

اس مرحلے کو بھی تین درجات مین تقسیم کیا گیا ہے تاکہ متعلقین کی تفہیم میں آسانی ہو لہذا درجہ ذیل میں ان جہات کا تذکرہ کیا جارہا ہے جن پر غور و فکر کرنے سے سماج اور ذرائع معاش کو سود سے پاک کیا جاسکتا ہے۔

1۔ حکومتی سطح پر ذمہ داریوں کا تعین:

حکومتی سطح پر درجہ ذیل امور کو ترجیحی بنیادوں پر فوقیت دی جانی چاہیے تاکہ سودی نظام کے مکمل خاتمے کے لیے عملی اقدامات مثبت سمت میں اٹھتے ہوئے نظر آئیں:

1۔ سودی نظام کے خاتمے کے لیے ملکی سطح پر پبلک یا پرائیویٹ کی شراکت داری سے متوازی نظام کی طرز پر بنکاری کا علیحدہ سسٹم متعارف کروایا جائے تاکہ روایتی نظام کو عملی طور پر ایسا ہونا ممکن دیکھائی دے اور جس کے ذریعے دیگر قومی و نجی بنکاری منتظمین کے لیے ہدایات جاری کی جاسکیں اور جہاں جہاں کنونشنل واسلامی بنکاری نظام میں اصلاحات کی ضرورت ہو وہیں بروقت رہنمائی فراہم کی جاسکے۔

2۔ جس طرح الگ سے بنکاری نظام کی مانیٹرنگ کرنے کے لیے حکومتی انتظامات کے تحت علیحدہ نظام قائم کیا جائے گا بعینہ ایسے نظام کو آئینی و قانونی مشاورت کے لیے بھی الگ بورڈ مقرر کیا جائے تاکہ بنکاری نظام کے خود کے مسائل جہاں ایک چھتری تلے طے کیے جاسکیں وہیں صارفین سے منسلک مسائل کا ون ونڈو(One window)سہولت مرکز کے ذریعے تدارک کیا جائے ۔

3۔ سرمایہ داروں کے اطمینان قلب کے لیے ماہرین کی ایک ٹیم مقرر کی جائے جو اس بات کو یقینی بنائے کہ جہاں سرمایہ کاری کی جارہی ہے،اس کی ہر لحاظ سے چھان پھٹک کر لی گئی ہے اور محفوظ سرمایہ کاری کی جارہی ہے اور نقصان ہونے کی صورت میں سرمایہ دار کو حق الیقین کی صورت حاصل ہو کہ واقعتاً حالات نے پلٹا کھایا ہے تو ہی مالی نقصان ہوا ہے ورنہ ملازمین کی طرف سے کوئی جھوٹی کاروائی کرکے مال کو ہڑپ کرنے کی شعوری کوشش نہیں کی گئی۔

4۔ بینکنگ نظام کے منتظمین ہی شریعہ بورڈ کی حیثیت رکھتے ہوں یعنی کہ علماء کرام پر مشتمل ہو جو نہ صرف سرمایہ کاری کے معاملات کو دیکھیں بلکہ ہر طرح کی ٹرانزکشنز پر بھی انہیں کی نظر ہو تاکہ کہیں سے بھی معاملات خلاف شرع دیکھائی دیں تو صارف سے معذرت کرتے ہوئے اصلاح کرلیں اور ماہرین معیشت یا اکانومسٹ کو تربیت دی جائے کہ بنک سے متعلقہ معاملات کو کن کن امورِ شریعہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے انجام دینا ہے اور کہاں خرابی پیدا ہونے کی صورت میں ایماندارنہ و منصفانہ رویہ اپناتے ہوئے رجوع کرنا ہے اور مالی معاملات کو ہر صورت میں حلال کے دائرہ میں محدود رکھنا ہے کہ کسی کا ایک پیسہ بھی مشکوک نہ ہو پائے تاکہ حلال کمائی سے حلال آمدن کی ریت پڑے اور جب حلال کھانے کی ریت پڑے گی تبھی حلال کے ثمرات معاشرے میں پھیلنے لگیں اور سماج میں برائی سے نفرت کا دور شروع ہو گا اور اگر ایسا عملہ فی الوقت ملک میں موجود نہ تو بیرون ممالک سے بھی اسلامک فنانس کے ماہرین کی خدمات مستعار لی جائیں تاکہ ایک ایسے شفاف اور سود سے پاک نظام کی داغ بیل ڈالی جاسکے جس کے مطابق مستقبل کے منصوبہ جات کے لیے لائحہ عمل مرتب کرنے میں سہولت میسر ہو۔

5۔ ملکی انتظامیہ کو بھی اس معاملے میں پیش پیش ہونا چاہیے تاکہ مثبت سمت میں سفر کا آغاز کیا جاسکے کیونکہ بعض معاملات تحریری صورت میں تو حکومت کی طرف سے جاری کردئے جاتے ہیں لیکن جب اطلاق کی نوبت آتی ہے تو انتظامیہ کی طرف سے خاصی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ پھر عدالتوں میں سٹے لینے کی صورت میں ہو یا پھر دفتری معاملات میں روڑے اٹکائے جانے کی صورت میں۔ بہر حال احکامات و قوانین کے اطلاق میں ملکی انتظامیہ کا بنیادی کردار ہوتا ہے جہاں پر آکر کسی بھی مطالبہ کو رڈی کی

ٹوکری میں پھینک دیا جاتا ہے اور پھر واپس منظر عام میں آنے کے لیے صدیوں کا سفر طے کرنا پڑتا ہے کیونکہ نہ تو احکامات دینے والی حکومت باقی رہتی ہے اور نہ ہی وہ افراد واپس آنے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں لہذا کسی نہ کسی طرح اگر کوئی پیش قدمی ہو بھی جائے تو اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کے لیے دیگر کئی ذرائع تلاش کر لیے جاتے ہیں جو نہ صرف نفاذ کے عمل کو بے وقعت کر دیتے ہیں بلکہ اُس تحریک کا گلا بھی گھونٹ دیتے ہیں جس کے سبب معاملہ اتنی سنجیدگی اختیار کر جاتا ہے کہ حکومتی سطح پر احکامات بھی جاری کر دئے جاتے ہیں اور قوانین کی صورت میں لائحہ عمل بھی مرتب ہو جاتا ہے لہذا اہل حل وعقد سے مؤدبانہ التماس کی جاتی ہے کہ اس مذکورہ بالا پہلو کی طرف بھی توجہ کی جائے اور اسے سماجی اصلاح کی ریڑھ کی ہڈی جیسی حیثیت دی جائے تا کہ اللہ ور سول اللہ ﷺ سے اعلان جنگ کو واپس لیا جائے اور اصلاح احوال کے لیے راہ کو ہموار کیا جا سکے۔

6۔ بلاشبہ! ملکی حکومت پر بین الاقوامی اداروں جیسا کہ آئی ایم ایف ودیگر کی طرف سے سود کے حوالے سے سخت پابندیاں لگائی گئی ہیں جن سے کسی بھی طور پر صَرف نظر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایسا کرنے سے حقیقت حال کو جھٹلانے کے مترادف قرار دیا جاتا ہے کہ ملک پر مختلف بنکوں وممالک کا قرضہ ہے جس میں طے شدہ شرح کے مطابق سود کی صورت میں دن بدن اضافہ ہوتا رہتا ہے تو ایسے منظر نامے میں سود سے پاک مالی معاملات سے منسلک نظام کو تشکیل دینے کی بحث کو اجاگر کرنا دیوانے کا خواب گردانا جاتا ہے کہ اس طرح کے مسائل کو بڑھاوا دینے والے اکثر حقائق سے نابلد سمجھے جاتے ہیں اس لیے انہیں پرکاہ کی وقعت نہیں دی جاتی۔ ان سبھی مسائل کی موجودگی کا احساس ہر محب وطن اور ذی شعور انسان کو بخوبی ہے لیکن کیا مسائل کے لگے انبار کے ہوتے ہوئے درست راستے کی نشاندہی کرنا کار بیکار تصور کیا جانا چاہیے؟ کہ اس وقت ایسے موضوع کو زیر بحث لانا وقت کا ضیاع ہی خیال کیا جائے۔ کیا مطلوب ومقصود منزل کی طرف سفر بے شک تاخیر سے شروع کیا جائے لیکن اس سے قبل راستے میں حائل رکاوٹوں کی نشاندہی، اس کا بہترین تدارک اور پنہاں مسائل سے آگاہی دینا عبث شمار کیا جانا چاہیے؟ بلاتردد اس کا جواب نفی میں ہی آتا ہے لہذا ملکی کندھوں پر قرضوں اور اُن قرضوں پر عائد سود کے سبب بہت بھاری بوجھ لدا ہوا ہے لیکن پہلا قدم تو کہیں نہ کہیں سے اٹھانا پڑے گا جس کے لیے چھوٹے پیمانے پر ہی سہی ایک ایسے نظام کی تشکیل از حد ضروری ہے جو حکومتی انتظامیہ کے ماتحت ہو اور اسٹیٹ بنک جس کی نگرانی کرے۔ اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ نظام اسٹیٹ بنک خود تشکیل دے اور اسی کے تحت ملکی سطح پر محدود شہروں میں شاخیں کھولے تا کہ ایک طرف اُس نظام میں موجود خوبیوں وخامیوں سے واقفیت حاصل ہو، دوسری طرف لوگوں میں بھی شعور اجاگر کیا جائے کہ اگر سرمایہ کاری کو خالص اسلامی اصولوں کے مطابق حلال رکھنا ہے تو اِسی نظام میں سہولت موجود ہے جس کے مثبت اثرات ضرور مرتب ہوں گے کیونکہ دونوں اطراف سے سرمایہ کو ٹھوس بنیادوں پر تصرف میں لانے کے ذرائع اختیار کیے جائیں گے اور اعتماد کی فضا بھی بحال ہوتی جائے گی جو مستقبل میں مزید سرمایہ کو منڈی میں لانے کا سبب بنے گی اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دائرہ کار میں وسعت آتی جائے جو سودی نظام معیشت کے لیے مہلک ہتھیار ثابت ہوگا جس کے ذریعے اکانومی وسماج کو لاحق عارضوں سے نجات دلانے میں معاونت حاصل ہوگی۔

7۔ ایک اور پہلو کی طرف توجہ دلانا بھی مقصود بحث گردانا جا سکتا ہے کہ بروز 20 نومبر 2025 روزنامہ نوائے وقت کے پچھلے صفحے کے دائیں کونے پر وزیر خزانہ سے منسوب بیان چھاپا گیا ہے کہ خیرات دینے والے ممالک میں پاکستان کا نام سرفہرست ہے اور خیرات چھپانے والوں کو سامنے آنا چاہیے چونکہ یہ عمل سماجی بہتری کے لیے اہم حیثیت کا حامل ہے۔ تھوڑا سا غور وفکر کرنے اور اس بیان پر جرح کرنے سے عیاں ہوگا کہ اسی خبر کے ضمن میں لکھا گیا ہے ملکی سطح پر 300 رجسٹرڈ ادارے اسی فلاحی کام کو سرانجام دینے میں مصروفِ عمل ہیں تو اس حوالے سے پہلا سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ ملکی سطح پر زکوٰۃ وعشر جمع کرنے کے لیے جو ادارے مصروف عمل ہیں کیا وہ کامل طور پر فعال ہیں؟ صوبائی، ضلعی اور تحصیل سطح پر جو کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں ان کی کیا کارکردگی ہے؟ اور اس کارکردگی کی شش ماہی یا سالانہ رپورٹ اطلاعِ عوام کی خاطر کبھی مرتب کر کے شائع کی گئی ہے تا کہ جانچا جا سکے کہ کتنی زکوٰۃ جمع ہوئی اور کہاں کہاں صَرف کی گئی؟ اور جنہیں زکوٰۃ کی رقم فراہم کی گئی ان کے لیے کیا قواعد وضوابط مرتب کئے گئے ہیں، جن کی بنیاد پر اہل یا نااہل افراد کا تعین کیا جاتا ہے یا صوبائی وضلعی ممبران کے صوابدیدی اختیار پر منحصر ہوتا ہے کہ جہاں چاہیں اور جس کو چاہیں اس رقم سے زکوٰۃ کی مد میں مطلوب یا غیر مطلوب رقم جاری کر دیں؟ کیا اس جاری کردہ رقوم کا کہیں ریکارڈ بھی محفوظ کیا گیا ہے تا کہ ادارے کے قیام سے لے کر موجودہ وقت تک جمع کی گئی زکوٰۃ کا تخمینہ لگایا جا سکے؟ اور کیا کبھی اس رقم کا اڈٹ بھی کیا گیا ہے یا نہیں؟ یہ رقم کبھی بھی ایک فرد کی ملکیت یا صوابدیدی اختیار میں نہیں دی جا سکتی کیونکہ یہ رعایا سے حاصل کردہ

ہوتی ہے اور اس کا بہترین مصرف شریعت اسلامیہ کی روشنی میں اسی علاقے کے مستحق افراد قرار دئے گئے ہیں تا کہ جہاں کے امراء سے رقم جمع ہوئی ہے وہیں کے غربا پر حکومتی انتظام کے تحت تقسیم کر دی جائے؟

مزید براں یہ کہ جنہیں سالانہ بنیاد پر زکوٰۃ کی رقوم جاری کی جاتی ہیں کیا کبھی اُن کا ریکارڈ بھی رکھا گیا ہے کہ انہوں نے حاصل کردہ رقم سے اپنے حالات کو تبدیل کرنے کی بھی کوشش کی ہے، کوئی محنت ومزدوری کرنے کی عادت اپنائی ہے، کبھی کاروبار کا آغاز کیا ہے تا کہ روزگار کا مستقل ذریعہ شروع ہو سکے اور حکومت کی طرف سے ملنے والی زکوٰۃ کی رقم پر انحصار ہر گزرتے دن کے ساتھ کم ہوتا جائے اور پھر ایک وقت ایسا آئے کہ جو فرد کبھی زکوٰۃ لینے والوں میں شامل تھا وہ خود کفیل ہونے کے بعد دیگر افراد معاشرہ کی مدد وتعاون کرنے پر پیش پیش دکھائی دیتا ہے اور اصلاح وفلاحِ سماج کا ایک مستقل سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔کیا کبھی اس پہلو کے لحاظ سے بھی غور وفکر کیا گیا ہے کہ کتنے افراد موجودہ وقت تک اس نظام سے مستفید ہو چکے ہیں اور اُن کی روزمرہ زندگی میں کیا تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں یا انہوں نے مفت خوری کا ایک سلسلہ قائم کر لیا ہے کہ ہر سال بھیک لینے کی صورت میں بروقت متعلقہ اداروں کی چوکھٹ پر قدم رکھ دیتے ہیں اور کچھ نہ کچھ رقم کا بندوبست ہو جاتا ہے جس سے کچھ ماہ کا نہ سہی تو کچھ دنوں کے راشن پانی کا سلسلہ چل نکلتا ہے اور ساتھ ساتھ دیگر ذرائع سے بھی فنڈز حاصل کئے جاتے ہیں تا کہ جو ضروریاتِ زندگی کئی افراد معاشرہ دن ورات کی انتھک محنت سے پوری کر پاتے ہیں وہیں زکوٰۃ کی رقوم پر انحصار کرنے والے تن آسانی، سستی وکاہلی یا بھیک لینے کے بین الاقوامی سطح پر مسلم حربے استعمال کر کے اہل لوگوں کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ رقوم ہتھیا لیتے ہیں اور جو مستحق ہیں وہ سفید پوشی کا بھرم رکھتے ہوئے چار دیواری میں گھٹ گھٹ کر ہی دم داعی اجل کے سپرد کر دیتے ہیں اور تمام اقتدار واختیارات پر متمکن افراد سالانہ بنیادوں پر اپنی ترقیوں اور آلاؤنسز میں مطلوبہ اضافہ جات حاصل کر لینے میں ہی شاداں وفرحاں رہتے ہیں؟ کبھی ایسے افراد کی فہرست تیار کرنے کی زحمت گوارہ کی گئی ہے تا کہ سماج میں موجود مستحق افراد کا درست ریکارڈ مرتب کیا جا سکے اور زکوٰۃ کا بہترین مصرف سامنے آئے؟

300 رجسٹرڈ اداروں کے حوالے سے جائزہ لیا جائے تو عیاں ہوتا ہے کہ نجی سطح پر متعدد اداروں کو زکوٰۃ جمع کرنے کی اجازت دینے کی کیا ضرورت ہے جب حکومتی سطح پر پہلے سے ایک نظام وضع کر کے مطلوبہ اداروں کو قائم کر دیا گیا ہے اور پھر بھی ضرورت پڑی تو اتنے اداروں کو اجازت فراہم کرنا چہ معنی دارد۔عام فہم کی بات ہے کہ جب بھی ایک ادارہ قائم کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس ادارے کے قیام کے لیے عمارت، عملہ، متعلقہ سامان، حفاظتی انتظامات کے لیے افرادی قوت اور میدان میں جا کر زکوٰۃ جمع کرنے کے لیے عاملین کے ساتھ ساتھ متعلقہ عملہ کو سواری فراہم کرنا و دیگر اخراجات کا مناسب انتظام کیا جانا از حد ضروری امر ہے جن کے بغیر کوئی بھی ادارہ کامل طور پر فعال نہیں ہو سکتا اور اگر فعال ہو جائے تو کارکردگی متاثر ہو گی اور جب کارکردگی متاثر ہو گی تو بنیادی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں خلل واقع ہو گا جس سے کامل نظام درہم وبرہم ہونے کا خدشہ لاحق ہو جاتا ہے لہٰذا روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مذکورہ بالا تمام پہلو بہر صورت مقدم رکھے جائیں گے۔یہ تو صرف ایک مقام پر کسی بھی ادارے کے قیام کے لیے بنیادی لوازمات کا تذکرہ کیا گیا ہے، پھر پورے ملک میں دیگر شاخیں کھولنا اور اسی طرح کئی اداروں کو رجسٹرڈ کر لینا اور ان سے متعلقہ مزید شاخوں کا ملک میں پھیلنا جبکہ بنیادی مقصد صرف زکوٰۃ، صدقات وخیرات کی صورت میں فنڈز کو اکٹھا کرنا ہے جو کہ ملکی اداروں میں موجود عملہ بھی بخوبی کر سکتا ہے۔

کہیں سے جواز تلاش کر بھی لیا جائے تو جتنے سوالات سابقہ الفاظ میں ملکی اداروں کے جائزے والے میں پیرائے میں کئے گئے وہی سوالات اِن اداروں کے سربراہان کے سامنے بھی رکھے جانے چاہیے اور سخت جواب طلبی کی جانی چاہئے اور اسی کے ساتھ ساتھ اس پہلو کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ شریعت اسلامیہ عاملین زکوٰۃ کو بھی زکوٰۃ کی رقم سے اخراجات نکالنے کی اجازت فراہم کرتی ہے تو کیا جو ادارے فنڈز جمع کرتے ہیں تو اس جمع شدہ فنڈز سے انہیں خود کے لیے کتنی رقم رکھنے کا حکومتی سطح پر اختیار دیا گیا ہے؟ اور جو رقم اِن اداروں کے اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے مختص کی ہوتی ہے اس کا کبھی آڈٹ کیا گیا ہے کہ کہاں تک اُس میں شفافیت پائی جاتی ہے اور کتنی رقم خرد برد کی گئی ہے؟ یا پھر ان خیراتی اداروں کا ذاتی مقصد ہی زکوٰۃ کی رقوم پر اپنی ضروریات کو ترجیحی بنیادوں پر پورا کرنا ہے اور جو بچ جائے گی اس کے بارے میں بعد میں سوچا جائے گا کہ کیا کرنا ہے؟

جب ملکی سطح پر اتنی مقدار میں صدقات وخیرات اکٹھے ہوتے ہیں کہ دیگر تمام ممالک کی فہرست میں پہلے نمبر آتے ہیں تو وہ رقم خرچ کہاں ہوتی ہے اور اُس کے مثبت اثرات کیوں دکھائی نہیں دیتے؟ ایک طرف صدقات کرنے والوں کی یہ نوعیت ہے کہ دیگر ممالک کے افراد کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں تو دوسری طرف خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے والوں کی تعداد میں ہر گزرتے دن کے ساتھ اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔یہ ناقابل فہم تضاد بھی اِسی سماج کا حصہ ہے جبکہ حقیقت حال میں ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ

جب لوگ پوری دلجمعی کے ساتھ زکوٰۃ وصدقات دے رہے ہیں تو اُن کے مثبت و تعمیری اثرات بھی نظر آنے چاہیے لہذا واضح ہوتا ہے کہ کہیں نہ کہیں گھمبیر مسلہ موجود ہے جس کی اصلاح سنجیدہ لوگوں کو کرنی چاہیے اور عاملین و متعلقہ اداروں کو کٹہرے میں کھڑا کر کے اُن تمام رقوم کا سخت حساب لیا جانا چاہیے کہ وہ کہاں خرچ کی گئیں اور ان کے شواہد کیا ہیں؟ اور کن صوابدیدی اختیارات کو استعمال کر کے ایسے تمام فنڈز زیر استعمال لائے گئے؟ سوالات کا ایک لامتناہی سلسلہ موجود ہے جن کے جوابات درکار ہیں اور اُن تمام سوالات سے اہم و سنجیدہ تر سوال یہ ہے کہ جواب طلبی کس سے کی جائے اور کسے کٹہرے میں کھڑا کیا جائے تاکہ سوالات کا سلسلہ تھم جائے اور عملی طور پر قوانین کا نفاذ ہو جائے تاکہ معاشرہ جب درست سمت کی طرف گامزن ہو جائے تو پھر منزل بھی قریب تر ہوتی جائے گی؟

اور اگر ان سوالات کے جوابات میں یہ عنصر نمایاں ہو کہ ان عطیات سے بچوں کو تعلیم دینے کا نظام قائم کیا گیا ہے تو پھر یہ سوال بھی بنتا ہے کہ بنیادی تعلیم دینا 1973 کے آئین میں پہلے وفاقی حکومت اور اٹھارویں ترمیم کے بعد صوبائی حکمتوں کی ذمہ داریوں میں شامل ہے کہ سارے انتظامات کو یقینی بنائے اور اگر نجی سطح پر تعلیمی ادارہ بنانا بھی ہے تو اپنے وسائل کو بروئے کار لایا جائے اور اخراجات و آمدن کا تخمینہ لگایا جائے کیونکہ زکوٰۃ وصدقات کی صورت میں ملنے والے عطیات کی بنیاد پر ایسا نظام وضع کرنا تو خود اُسی نظام کے وجود پر سوالات کھڑے کر دیتا ہے کہ صدقات کا تصرف تو قرآن حکیم میں فقراء، مساکین، عاملین، مؤلفۃ القلوب، غلام، قرض میں ڈوبا ہوا شخص اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں سفر کرنے والے حضرات کو شامل کیا گیا ہے جیسا کہ آیت قرآنیہ سے واضح ہوتا ہے کہ

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِؕ-فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِؕ-وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ [9]

ترجمہ: زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لیے ہے (۱۳۷) محتاج اور نرے نادار اور جو اسے تحصیل (وصول) کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھوڑانے میں اور قرضداروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت والا ہے

تو کیا اس ادارے میں پڑھنے والے سبھی بچے زکوٰۃ وصدقات کی رقوم کے مستحق ہیں؟ اور اگر انہیں مستحق شمار کیا گیا ہے تو اس کا کیا لائحہ عمل مرتب کیا گیا ہے؟ کیا اصول و ضوابط منضبط ہیں جن کے تحت مستحقین کو الگ کیا جاتا ہے؟ اور اسی کے ساتھ یہ پہلو بھی عیاں ہونا چاہیے کہ عاملین کو صرف زکوٰۃ وصدقات جمع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جب تمام صدقات جمع ہو جائیں گے تو ریاستی سربراہ کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اُسے عوام کے مفادات میں لائے جبکہ یہاں باوا آدم ہی نرالہ ہے جو بھی ایک ادارہ چاہیے وہ رجسٹرڈ ہو یا نہ ہو قائم کرتا ہے تو خود ہی فیصلہ کر لیتا ہے کہ جمع شدہ زکوٰۃ میں خود کو عامل ظاہر کر کے اس کا کتنا حصہ بنتا ہے اور باقی عملے کی تنخواہوں و عمارت کے اخراجات نکال کر باقی کتنی رقم بچتی ہے اور یہ تمام فیصلے ایک نجی ادارے کا سربراہ صوابدیدی اختیارات کی بنیاد پر کر رہا ہوتا ہے حالانکہ دعوٰی ہمیشہ عوامی خدمت کا کیا جاتا ہے اور جب بات عوامی خدمت کی آجائے تو بھی عاملین کو شریعت اسلامیہ میں کہیں اجازت نہیں دی گئی کہ وہ خود ہی فیصلہ صادر کر دیں کہ جو صدقات اکٹھے ہوئے ہیں انہیں فلاں بن فلاں کو عطیہ کر دیا جائے حتی یہ کہ حکومتی سطح پر اس کا اجازت نامہ موجود ہو اور اُسے اختیار دیا گیا ہو کہ اپنے فہم کے مطابق تصرف کرنے کا مجاز ہے، اس سب کے باوجود بھی وہ احتساب سے بالاتر ہرگز تصور نہیں کیا جا سکتا کہ جو من میں آئے کرتا پھرے، آڈٹ تو ہر صورت میں کیا جانا چاہیے، جواب طلبی تو پھر بھی لازم ہے تاکہ شفافیت کو غالب کیا جا سکے۔ لہذا جب تک ان خامیوں کا دور نہیں کیا جائے گا نظام زکوٰۃ سے افادہ مستحقین نہیں اٹھا سکیں گے اور یہی رکاوٹیں ہی اس کے ثمرات سے لوگوں کو درست انداز میں مستفید نہیں ہونے دے رہیں۔ مختصراً کہا جائے تو زکوٰۃ وصدقات کا بہترین تصرف ہی تبھی ممکن ہے جب تک اُنہیں اسلامی احکام کی روشنی میں جانچا و پرکھا اور بروئے کار نہیں لایا جائے گا۔

انتظامی لحاظ سے درپیش چیلنجز:

حکومتی سطح پر مؤثر کوششیں کی جانی چاہیے کہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں جیسا کہ IMF اور World Bank وغیرہ سے ایسی شرائط پر قرضہ کا حصول ممکن بنایا جائے جس پر کم شرح سود لاگو ہو تاکہ خرابی کو جڑ سے اکھاڑنے میں معاونت حاصل ہو کیونکہ یہ بھی ایک طرز عمل ہو گا کہ آہستہ آہستہ بیرونی سود کی شرح کم ہو گی تو اندرونی سطح پر بھی بوجھ کم ہو تا جائے گا اور ایک وقت ایسا آئے کہ سود ختم ہو جائے جب تک ایسا ممکن نہیں ہو پائے گا کہ جہاں سے قرض حاصل کیا جا رہا ہے وہاں سے سود کی

9-التوبہ 9: 60

شرح کو کم یا ختم نہیں کیا جائے گا تو صارف کی سطح پر سود کو ختم کرنا ممکن نہیں ہو پائے گا کیونکہ سود کی جڑ قرض کا حصول بنتا ہے لہٰذا جب ملکی سطح پر سود کی کم یا زیادہ شرح موجود رہے گی، نچلی سطح پر خاتمہ ممکن نہیں ہو پائے گا۔

قانونی سقم اور کنونشنل قوانین کا غلبہ:

عمومی طور پر ملکی سطح پر یا نجی سطح پر لین دین میں قانونی لحاظ سے سقم اور کنونشنل قوانین کا اس قدر غلبہ ہے کہ انفرادی طور پر کی گئیں کاوشیں کار بیکار میں شمار ہونے لگتی ہیں کیونکہ عمومی سماجی رویہ ایسے معاملات میں حوصلہ افزاء نہیں ہوتا کہ جس نے سود کے بغیر قرض دینا ہو گا اسے مختلف تجربات کی شکل میں کئی اسباق ازبر کروا دیئے گئے ہوں گے کہ اُس نے لامحالہ ایسے عوامل سے ہی توبہ کر لی ہو گی کیونکہ اس میں قانونی لحاظ سے معاونت کسی بھی سطح پر میسر نہیں ہوتی اور سماجی لحاظ سے قرض خوروں کی طرف سے اُکتا دینے والے روّیوں سے دل برداشتہ ہوتا چلا جاتا ہے جبکہ یہی معاملہ کسی بھی روایتی بنک کی طرف سے درپیش ہو تو اُن کے پاس وسائل کی دستیابی کے سبب قانونی ٹیم بھی موجود ہوتی ہے اور تھانے وکچہریوں کے چکروں میں ڈالنے کے لیے دیگر ذرائع بروئے کار لانے کا وسیلہ بھی دستیاب ہوتا ہے اور انہی کے ساتھ ساتھ سائل سے دیگر متعدد قسم کی یقین دہانیاں بھی صارف کو باندھے رکھتی ہیں کہ کہ قرض واپس نہ کرنے کی وجہ سے کس طرح کی صورت حال کا سامنا ہو سکتا ہے لہٰذا بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ قرض خوار چاروناچار رقم کی واپسی کو یقینی بناتا ہے تاکہ مزید رقم کے حصول کے لیے مواقع مل سکیں لہٰذا سماج میں ایسے طرز عمل کا غالب ہونا بھی سود کے خاتمے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے کیونکہ افراد معاشرہ کو ایک عادت سی پڑ چکی ہے کہ وہ کسی نہ کسی صورت قرض حاصل کر کے ایسے عوامل کو سود کی صورت میں نفع کمانے کا موقع فراہم کرتے رہیں گے۔

بعض بینکوں میں شرعی اصولوں کی عملی کمزوری:

بنکوں میں تعینات عملے کا اسلامی قوانین سے نابلد ہونا بھی ایک اہم مسلہ ہے جس کے سبب شرعی قوانین کے نفاذ میں رکاوٹ پیش آتی ہے کیونکہ انہوں نے روایتی تعلیم میں اُن اسلامی اصولوں کا مطالعہ نہیں کیا ہوتا یا اگر کہیں پڑھایا بھی جائے تو صرف معلوماتی پہلو سے آگاہی دی جاتی ہے اطلاقی جہت پس پُشت ہی رہتی ہے جس کا ممکنہ نتیجہ اسی صورت میں برآمد ہوتا ہے کہ عملہ جانکاری رکھتے ہوئے اُن ذرائع سے صارف کو آگاہ نہیں کرتا جو اسلامی اصولوں کے مطابق قرض کے حصول یا تجارت کرنے کے عمل کو آسان بناتے ہیں جبکہ اسی موضوع کے دوسرے پہلو پر بات کی جائے کہ علماء کا ایک بورڈ متعین کر دیا جائے تاکہ ان معاملات کی نگرانی کرتا رہے تو بھی یہی سوال سامنے آتا ہے کہ لین دین کے معاہدات کی شقیں جب تک واضح نہ کی جائیں گیں تب تک علماء کے بورڈ کے ذریعے طے ہونے والے معاہدات بھی مشکوک ٹھرائے جائیں گے کیونکہ اصولوں کی پاسداری نہیں کی گئی ہوتی لہٰذا یہ طے ہے کہ یا تو بنک کا عملہ مکمل طور پر شرعی بینکنگ کی تربیت حاصل کرے اور اس تربیتی عمل کو نصاب کا حصہ بنا دیا جائے تاکہ نصابی سطح پر ہی معاملہ حل کیا جائے یا پھر علماء کرام کو کامرس سے متعلقہ مضامین کی تربیت لازمی قرار دے دی جائے تاکہ بنک میں لین دین کرنے والا عملہ ہی علماء کرام پر مشتمل ہو تاکہ پورے عمل کی نگرانی بھی ہوتی رہے اور معاہدات بھی درست سمت میں متعین کیے جاتے رہیں۔

سفارشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہی مناسب رہے گا کہ سودی قوانین کو مکمل طور پر منسوخ کیا جائے تاکہ وہ راستہ ہی بند کر دیا جائے جہاں سے معیشت کو سود کی بھنک پڑتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی بینکنگ کے ریسرچ سینٹرز کا قیام عمل میں لایا جائے تاکہ کنونشنل بینکنگ کے لیے ایک عملی طور پر ایک مثال قائم کی جائے کہ سود کے بغیر بھی بینکنگ سسٹم چلانا ممکن ہے لہٰذا جب تک عملی مثال نہیں قائم کی جائے گی لوگوں کو مائل کرنا کار دشوار است جبکہ اسی بحث کے ذیلی پہلو کی طرف بھی توجہ دلانا مقصود ہے کہ اسلامی مالیاتی نظام کے لیے نیا **Shariah Supervisory Authority** تشکیل دیا جائے تاکہ کنونشنل بینکنگ سے الگ رہ کر تمام معاملات کو منظم انداز میں سرانجام دیا جا سکے تاکہ ایک وقت گزرنے کے بعد قومی بجٹ اور قرضہ جاتی پالیسیوں کو مکمل اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ کرنا ممکن ہو پائے۔

2۔عدالتی سطح پر احکامات کی عملداری کا یقینی بنایا جانا:

عدالتی نظام کسی بھی ملک کے نظم ونسق میں بنیادی اہمیت کا حامل نظام ہوتا ہے کیونکہ اسی کے سبب ملزم، الزامات سے شواہد کی بنیاد پر بری ہوتے ہیں اور اسی ادارے کی وجہ سے مجرم سزا ملنے کی صورت میں منطقی انجام تک پہنچ جاتے ہیں لہٰذا یہ کہنا بجا طور پر درست ہو گا کہ سماجی سطح پر ہونے والی ناانصافیوں اور تخریب کاریوں کا بروقت قلع قمع کرنے کے لیے قانونِ انصاف کو حرکت میں رہنا پڑتا ہے تاکہ جو جزا کا مستحق نہیں ہے، اُسے سزا نہ ہونے پائے اور جس نے جرم کیا ہے اُسے ترازو کے پلڑوں

میں تول کر عین تقاضوں کے مطابق جزادی جائے تاکہ انصاف کا بول بالا ہو اور معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بنا رہے اور شر پسند عناصر پنپنے نہ پائیں۔ مختصراً کہا جائے تو عدل وانصاف کا بھرم عدالتی نظام کے باعث ہی قائم ودائم رکھا جاسکتا ہے۔

مذکورہ بالا تمہید سے واضح ہوا کہ عدالت کا کام نہ صرف سزا کا تعین کرنا ہے بلکہ اُسے منطقی انجام تک پہنچانے میں بھی کلیدی کردار ادا کرنا ہے تاکہ احکامات صرف کاغذوں پر لکھی ہوئی سطور تک محفوظ نہ رہیں، بلکہ عملی طور پر اُن کے اثرات مرتب ہوتے نظر آئیں تاکہ عدل نہ صرف ہو بلکہ ہوتا ہوا بھی نظر آئے۔ اسی طرز پر سود کے خاتمے کے حوالے سے عدالتی احکامات کو بھی پرکھا جاسکتا ہے کہ دور حاضر تک صوبائی یا ملکی سطح پر جس درجہ کی بھی عدالت نے جیسا بھی حکم جاری کیا ہے تادم تحریر اُس حکم پر کس حد تک عمل کیا گیا ہے اور انتظامیہ کی طرف سے کس حد تک عمل کرنے کی یقین دہائی کروائی گئی ہے اور اطلاقی پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا لائحہ عمل مرتب کیا گیا ہے تاکہ عدالتی احکامات کے حوالے سے منتظمین کی سنجیدگی کا اندازہ لگایا جاسکے تبھی درست جائزہ پیش کیا جاسکے گا کہ اگر ایک عدالت جو بھی حکم جاری کرتی ہے اس کے کیا نتائج حاصل ہوتے ہیں۔؟

کیا عدالت میں مقدمہ سے منسلک سبھی مشمولات کو زیر بحث لایا گیا ہے؟ اُن مشمولات پر ہر ممکنہ حد تک نقد وجرح کی گئی ہے؟ مقدمہ کے حق میں یا مخالفت میں پیش ہونے والے سبھی فریقین کو منصفانہ انداز میں یکساں مواقع فراہم کئے گیے تاکہ سوالات اٹھائے جاسکیں اور اُن سوالات کے جوابات میں پائے جانے والے اشکالات کو ممکنہ حد تک دور کرنے کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے تاکہ دونوں فریق خود کی ذات تک مطمئن کئے جاسکیں؟ اور تمام گواہان وشواہد کی موجودگی میں جو حتمی فیصلہ جاری کیا جاتا ہے اُس میں کسی بھی قِسم کا سُقم باقی نہیں رہا؟ تو پھر کیا وجوہات ہوسکتی ہیں کہ ملکی انتظامیہ کی طرف سے اپنے ہی قائم کردہ عدالتی نظام کے احکامات پر عمل پیرا ہونے میں شکوک وشبہات کا اظہار کیا جاتا ہے کیا سبھی لوازمات حتمی صورت میں پورے نہیں کئے گئے تھے؟ اور جب جواب ہاں میں آتا ہے تو پھر احکامات کی تعمیل، تاخیر کا شکار کیوں ہو جاتی ہے؟ کیا نظام عدل اور انتظامیہ یا قانون نافذ کرنے والے اداروں میں ہم آہنگی کا فقدان ہے؟ اور اگر واقعتاً ایسا ہے تو پھر سب سے پہلے اس کے اسباب کا تعین کیا جانا چاہیے تاکہ یکسوئی حاصل ہو اور اگر جواب ناں کی صورت میں ملتا ہے تو احکامات ردی کی ٹوکری میں کیوں پھینک دئے جاتے ہیں، عملی طور پر نافذ ہوتے کیوں دیکھائی نہیں دیتے۔ سود کے حوالے سے بھی یہی پیچ وخم واضح ہوتا نظر آتا ہے کیونکہ اگر عدالت تمام تر جدوجہد کے بعد کسی حتمی نتیجہ پر پہنچ کر حکم جاری کرتی ہے کہ سود کا خاتمہ یقینی بنایا جائے تو پھر اُس کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنا حکومتی ترجیحات میں شامل ہونا چاہیے تاکہ احکامات پر من وعن عمل کیا جاسکے۔

لیکن حقیقتِ حال سے عیاں ہوتا ہے کہ اگر عدالت حکم جاری کرتی ہے تو حکومت کی طرف سے سنجیدگی کا اظہار نہیں کیا جاتا اور نہ ہی عدالتی نظام کی طرف سے اس حوالے سے ممکنہ سنجیدگی کا اظہار دیکھائی دیتا ہے کہ اگر ایک حکم کی تعمیل نہیں کی جارہی تو عدم تعمیل کی صورت میں ذمہ داران سے کس طرح جواب طلبی کی جاسکتی ہے؟ اور سستی وغفلت برتنے کی وجہ سے کسے سزاوار ٹھرایا جانا چاہیے اور مستقبل میں ایسے افراد کو کس طرح کے نقصانات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے لہذا جب عدالتی ہدایات جاری کردی جائیں تو ان کی تعمیل یقینی بنائی جانی چاہیے اور اگر پھر بھی کوئی سُقم باقی ہے تو انتظامیہ یا حکومتی نمائندوں کے ذریعے اُس پر نقد وجرح کے ذریعے حق وباطل کو ہر صورت واضح کیا جانا چاہیے تاکہ کسی بھی فریق کے فکر ونظر میں کسی بھی طرح کا شبہ باقی نہ رہے اور احکامات پر اُن کی روح کے مطابق عمل کیا جاسکے اور یہی طرز عمل ہی ابھی تک کے جاری کردہ احکامات کے حوالے سے بہت بڑا سوالیہ نشان بنا ہوا ہے جو سود کے خاتمے کی راہ میں سب سے اہم رکاوٹ گردانی جاسکتی ہے۔ جب نظام عدل اپنے جاری کردہ احکامات کو آئین وقانون کی روشنی میں عملی طور پر نافذ کرنے کے حوالے سے سنجیدہ رویہ اختیار کرے گا تبھی دیگر برائیوں کے ساتھ ساتھ سود کے خاتمے کا خواب بھی شرمندہ تعبیر ہوتا نظر آئے گا کیونکہ اجماعِ امت اور عقلِ سلیم دونوں سود کو ظلم اور معاشرتی فساد کا سبب قرار دیتے ہیں لہذا موجودہ معاشی نظام میں اسلامی مالیاتی اداروں (جیسا کہ مضاربت، مشارکت، اور تکافل) کا فروغ سودی نظام کے متبادل کے طور پر ضروری ہے تاکہ سود سے پاک نظام جو کہ نہ صرف دینی تقاضا ہے بلکہ پائیدار ترقی (Sustainable Development) کا بنیادی ستون بھی ہے کو عملی جامہ پہنایا جاسکے۔

سفارشات:

1۔ ایسا ممکن نہیں کہ ایک ملک میں دونوں نظام سودی واسلامی رائج ہوں اور دونوں کامیابی سے بھی ہمکنار ہوں، دورنگی چھوڑ کر یک رنگ ہونا پڑے گا۔ اگر لوگوں کے پاس یہ آپشن موجود ہو کہ وہ چاہیں تو سودی معاشی نظام میں سرمایہ کاری کریں بغیر سودی نظام میں یعنی اسلامی نظام معیشت میں سرمایہ کاری کریں تو لامحالہ سبھی سودی نظام

معیشت کو ہی منتخب کریں گے کیونکہ وہاں منافع کا حصول یقینی ہوتا ہے جبکہ اسلامی نظام معیشت میں معاملات اس کے برعکس ہوتے ہیں۔ وہاں خطرات یا نقصانات کے عناصر شامل ہیں، ممکنات میں سے ہوتا ہے کثیر نفع بھی حاصل ہو جائے اور نقصانات ہونے کے بھی خدشات ہوتے ہیں لہذا انسان نفسیاتی لحاظ سے کمزور ہو تو خطرات یا نقصانات سے خود کو محفوظ رکھنے کو اختیار کرے گا جس کا حتمی نتیجہ سودی نظام معیشت کی طرف رغبت سے ہی ظاہر ہو جائے گا لہذا یہ حکومتی اختیارات کے دائرہ کار میں آتا ہے کہ معیشت کی مستقل بنیادوں پر اصلاح کرے اور ایسے انتظامات کو یقینی بنائے کہ لوگ اسلامی نظام معیشت میں ہی سرمایہ کاری کرنے کو ہی ہر حال میں ترجیح دیں۔

جبکہ دوسری طرف سے یہ بھی اعتراض اٹھایا جا سکتا ہے کہ سود کا معاملہ اسلامی نظام حیات سے وابستہ ہے تو ملک و وطن کی حدود میں دیگر مسالک و مذاہب کے افراد جو رہ رہے ہیں وہ اس نظام سے متفق نہیں ہوتے لہذا ان کے لیے کیا لائحہ عمل مرتب کیا جائے کہ وہ اسلامی نظام کی بجائے کسی بھی دوسرے نظام معیشت کو منتخب کر سکیں۔ اس کے لیے دو علیحدہ علیحدہ نظاموں کا تشکیل دیا جانا از حد ضروری خیال کیا جاتا ہے تاکہ مسلمان اپنے سرمائے کو سود سے پاک رکھ سکیں اور دیگر مسالک و مذاہب کے افراد اپنی مرضی سے جس بھی نظام کو بھی منتخب کرنا چاہیں کر سکیں مگر مسلمانان ملک کے لیے نظام میں واضح طور پر حدود و قیود متعین کر دی جائیں کیونکہ وہ مسلمان ہیں اس لیے وہ سودی نظام معیشت میں سرمایہ کاری نہیں کر سکتے۔ اسی طرح انہیں قانونی طور پر پابند کیا جائے تاکہ ایک مسلمان کے لیے وہ راستہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے کہ جس پر چلنے کی وجہ سے اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ سے اعلان جنگ کرنے کی نوبت آ جاتی ہے لہذا ایسا نظام وضع کرنا اور حدود کا تعین کرنا اہل اختیار کے ذمہ ہے کہ وہ ایسے اقدامات کو یقینی بنائیں تاکہ مسلمانوں کے معاشی ذرائع سود سے مکمل طور پر پاک ہو سکیں اور جو مسلمان بھی اسلام کی محبت کا دم بھرتا ہے وہ عملی طور پر بھی اس کے احکام پر عمل پیرا ہو سکے تاکہ کل بروز قیامت اسے حیل و حجت سے کام نہ لینا پڑے کہ معاشی پہیہ چلانے کے لیے اس کے پاس سودی نظام سے ہٹ کو کوئی بھی آپشن موجود نہیں تھا لہذا صاحبان اقتدار و اختیار پر لازم ہو جاتا ہے کہ ایسے افراد معاشرہ کے لیے جو اپنے سرمایہ کو سود سے پاک رکھنا چاہتے ہیں مگر انہیں وسائل نہیں مل رہے، ان کی ایسی پریشانیوں کا تدارک کیا جا سکے اور انہیں اپنے حساب و کتاب کو آسان بنانے میں تعاون فراہم کیا جا سکے کیونکہ

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪-وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ [10]

ترجمہ: اور نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو

اور سود سے معیشت کو پاک کر دینے سے بڑھ کر مسلمانوں کا باہمی تعاون کیا ہو سکتا ہے کہ جب ان کا سرمایہ ہی ناجائز ذرائع سے اصل طور پر صاف ہو گیا تو باقی معمولات زندگی میں بھی آسانیاں آتی جائیں گی۔

نصاب کا حصہ:

طلبہ و طالبات کو نصاب کی صورت میں سود کے بارے میں جو تعلیمات پڑھائی جاتی ہیں وہ صرف معلومات تک محدود ہوتی ہیں جبکہ اصلی پہلو اطلاقی لحاظ سے آگاہی دینا ہے، عملی مثالیں طلبہ کے سامنے پیش کی جائیں اور ایسی جگہوں (بنکس) وغیرہ کا دورہ کروایا جائے جبکہ اس کے ساتھ سودی و غیر سودی نظام کا تقابل پڑھایا جائے تاکہ طلبہ عملی زندگی کا آغاز کرنے سے قبل سود کے بارے میں نظریاتی طور پر جان لیں، پرکھ لیں تاکہ عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی انہیں ایسے عوامل سے آگاہی حاصل ہو جائے جن میں سود یا سود سے متعلقہ عناصر شامل ہوتے ہیں تاکہ وہ اپنے ذرائع آمدن کو پاک رکھ سکیں اور سود کی نحوستوں سے محفوظ رہ سکیں۔ لہذا ایسی کاوشوں کو نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا کے مثل نہیں سمجھا جانا چاہئے کہ ان کی کیا وقعت ہے کیونکہ مطلوب و مقصود تو آواز کو بلند کیا جانا ہے پھر چاہے کوئی اُسے سنے یا نہ سنے۔

شخصی رویے:

عمومی طور پر سودی معیشت کا محور و مرکز زیادہ سے زیادہ ارتکاز دولت ہے جبکہ اسلامی نظام معیشت کے پیش نظر گردشِ دولت رہتا ہے کہ لوگ اپنے سرمائے کو خود کی ذات تک محدود نہ رکھیں اسے کھلی مارکیٹ میں لے کر آئیں نفع و نقصان کو تخمینہ لگا کر سرمایہ کاری کریں جس سے دیگر افراد معاشرہ کے لیے بھی روزگار کے مواقع فراہم ہوں گے اور سرمایہ دار کا سرمایہ بھی مسلسل گردش میں رہنے کے سبب منافع کو اکٹھا کرنے کا ذریعہ بنتا چلا جائے گا لیکن جب دولت کو سکیڑ لیا جائے اور منافع کے حصول کے

10۔ المائدہ 5: 2

لیے آسان ترین ذرائع تلاش کیے جانے لگیں تو سودی معاملات سے بڑھ کو کوئی اور طریقہ منڈی میں میسر نہیں ہوتا کیونکہ اس میں صرف ساہوکار بن کر آرام دہ زندگی گزارنی ہوتی ہے کیونکہ سود کی صورت میں منافع خود کار طریقے سے سمٹتا چلا آئے گا اور نہ کسی طرح کی محنت درکار اور نہ ہی کوئی پریشانی دامن گیر ہو گی لہذا سرمائے کو محفوظ رکھنے کا اس سے بڑھ کر کوئی نظام نظر نہیں آتا اس لیے جذبات واحساسات کا سودی معاملات سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا لیکن جب ایک شخص مجبوری کی حالت میں سرمایہ دار کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو ایک طرف یہ موقع جہاں آسان منافع کا حصول فراہم کرتا ہے وہیں اگر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات کو مقدم جانا جائے تو دنیوی واخروی نجات کا آسان ترین ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔ انتخاب کا حق بہر حال سرمایہ دار کے دائرہ اختیار میں ہوتا ہے۔

یہی سے ایک اور اعتراض بھی جنم لیتا ہے کہ قرض خواندہ قرض کی رقم طلب کرتے وقت تو تمام مطالبات کو بسر وچشم قبول کرتا ہے لیکن قرض کے حصول کے فوراً بعد حیل وبہانے تراشنے لگتا ہے اور ٹال ومٹول آئے روز کا وطیرہ بن جاتا ہے اور ایسا پہلی بار نہیں بلکہ متعدد مرتبہ ماضی میں بھی ہو چکا ہوتا ہے اور قرض خواہوں کی اسی روش کی وجہ سے کئی سرمایہ دار ذہنی الجھنوں میں مبتلا ہوئے اور پھر وہ الجھنیں وپریشانیاں اسقدر بڑھ گئیں کہ قرض خواہ تو صحیح وسلامت رہا لیکن قرض دہندہ قبر کی چار دیواری میں جابسا تو ایسے رویوں سے بچنے کے لیے مختلف انداز اختیار کئے جاتے ہیں تاکہ سرمایہ واپس مل سکے کیونکہ قرض خواہ کی طرف سے آئے روز کے حیلے وبہانے اب معمول کا حصہ بن چکے ہیں اور بڑھتے بڑھتے یہ اجتماعی سطح پر فراڈ کا ذریعہ اختیار کر چکا ہے

قرض کا روایتی طریقہ کار:

بنیادی طور پر چونکہ سود کا تعلق قرض کی صورت میں دی جانے والی رقم سے ہوتا ہے اس لیے روایتی طریقہ کار کی طرف توجہ کیا جانا بھی اہمیت کا حامل پہلو ہے تاکہ اس سے واضح کیا جاسکے کہ آغاز کیسے ہوتا ہے اور پھر تسلسل کے ساتھ کیسے چلتا رہتا ہے۔ عمومی طور پر جب بھی کوئی بنک کسی کسٹمر کو قرض دیتا ہے تو حفاظتی انتظامات کے طور پر کچھ نہ کچھ مالیت کا سامان طلب کیا جاتا ہے تاکہ عدم ادائیگی یا کوئی بھی اور نقصان جیسا کہ قرض خواہ کا وفات پاجانے کی صورت میں قرض کی رقم کو پورا کیا جاسکے جس کے لیے بعض اوقات سونا زیورات کی شکل میں، زمین کے کاغذات وغیرہ اور سرکاری ملازم ہونے کی صورت میں متعلقہ محکمہ سے اتھارٹی لیٹر کہ جس کی بنیاد پر متعلقہ ملازم کی تنخواہ کو اسی بنک میں جامد کیا جاتا ہے جب تک قرض کی رقم ادا نہیں ہو جاتی۔ ایک طرف بنکس اپنے مفادات کو قبل از وقت محفوظ کر لیتے ہیں تو دوسری طرف عوام کو بھی آگاہی دینے کی ضرورت ہے کہ جس مالیت کا سامان بنک میں جمع کروا کر قرض لیا جارہا ہے اور جتنی مدت تک کے لیے لیا جارہا ہے اتنی مدت یا دورانیہ میں اس سامان کی مالیت میں خو بخود بھی اضافہ ہو تا جائے گا اور جو رقم قرض پر لی ہے اس میں KIBOR یا سالانہ چارجز کی بنیاد پر بنک بھی صارف سے رقم ہتھیا لیتا ہے تو فائدہ زیادہ تر بنکس کا ہوتا ہے نہ کہ صارف کا جبکہ وہی سامان جسے بنکس میں جمع کروا کر قرض لیا گیا ہوتا اسے ہی فروخت کر کے ضرورت کو پورا کر لیا جائے تو ایک طرف سود سے بچا جاسکتا ہے تو ساتھ ساتھ دیگر عوارض سے بھی محفوظ رہا جاسکتا ہے کیونکہ بنکس کی اقساط کبھی وقت پر ادا نہیں کی جاسکیں تو ماہانہ قسط کے ساتھ سود کی رقم میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی کامل ادائیگی ممکن نہیں ہو پائے گی کیونکہ ضرورت کو قرض لے کر پورا کر لیا گیا ہے اور ذرائع آمدن اگر اخراجات سے زائد ہوتے تو قرض لینے کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی، جس سے واضح ہوتا ہے کہ آمدن کی مقدار وہی رہیں اخراجات میں اضافہ کر لیا گیا ہے اور جب اقساط کی رقوم میں اضافہ ہو جاتا ہے تو پھر ناقبل واپسی کی حد آن پہنچتی ہے جس کا حتمی نتیجہ بنکس وہی جائیداد کو فروخت کر کے اپنی رقم پوری کر لیتا ہے جبکہ سود کی صورت میں جو پہلے وصول کر چکا وہ الگ لہذا یہاں بھی ہر صورت میں صارف کا ہی نقصان ہوتا ہے جس کے لیے وسیع پیمانے پر آگاہی مہم چلانے کی ضروت ہے جسے کارپوریٹ سیکٹر کامیاب نہیں ہونے دے گا کیونکہ اس سے انہیں کا کاروبار جڑا ہوا ہے جس کا نقصان ہو گا لہذا اس پہلو کی طرف بھی توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے جب کہ اسی نظام کا ایک متبادل نظام بھی اپنی استطاعت کے مطابق کام سرانجام دے رہا ہے جسے اخوت کے نام سے جانا جاتا ہے

اخوت:

بنکنگ نظام سے منسلک مگر متفرق راستے کا انتخاب کرتے ہوئے ایک ادارہ اخوت کے نام سے بھی ملک پاکستان میں کام کر رہا ہے جو ڈاکٹر امجد ثاقب جیسی شخصیت کے زیر انتظام سود سے پاک قرض فراہم کرنے جیسے بھاری بھر کم پتھر کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے جس سے کئی خاندانوں کی زندگیاں تبدیل ہو چکی ہیں اور پورے

ملک میں کئی فعال برانچز اپنے فرائض سرانجام دے رہی ہیں لیکن آبادی کے لحاظ سے صرف ایک ایسے ادارہ کا قیام کافی نہیں کیونکہ منزل ابھی کوسوں دور ہے اور مسافر کو طویل و کٹھن مسافت طے کرنی ابھی باقی لہذا قافلے کے شہسواروں کی تعداد میں اضافہ ناگزیر ہے۔

پیش نظر مقالہ کے حوالے سے اخوت نامی ادارے کا تذکرہ کرنا اس لیے بھی ازحد ضروری خیال کیا گیا ہے تاکہ ایک ایسی عملی مثال کو بھی مدنظر رکھا جائے جو بلاسود قرض فراہم کرنے جیسی مہم برپا کئے ہوئے ہے تو اگر ایک شخص چند افراد پر مشتمل گروہ کے ساتھ طویل سفر طے کرکے ایسے راستے کا نقشہ تراش سکتا ہے جس پر چل کر معیشت و معاش کو سود جیسے حرام کردہ فعل سے ہر فرد خود کو محفوظ رکھ سکتا ہے تو جن کے پاس اقتدار واختیار ہوتا ہے اُن کے لیے ایسے مؤثر اقدامات کا کیا جانا کیسے ناممکن ہو سکتا ہے؟ جب راستے کے نقوش عیاں ہوں اور منزل کا تعین کیا جانا پہلے کی نسبت آسان تر ہو تو سفر کا آغاز کرنے میں ہچکچاہٹ کا شکار کیوں لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اخوت ادارے کی صورت میں ایسا رول ماڈل موجود ہے جس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے کہ کیسے بنکاری نظام کو سود سے پاک کیا جائے جس طرح اخوت نے شخصی ضمانت کا طریقہ کار وضع کیا ہوا ہے وہی یا اُس میں مزید بہتری لا کر بھی نافذ کیا جانا ممکن ہے تو روایتی بنکوں کی طرف سے پرانے طرز کے طریقہ ہائے ضمانت کو کیوں تبدیل نہیں کیا جاتا جس سے ایک غریب یا متوسط طبقہ سودی نظام میں جکڑتا چلا جاتا ہے۔

لہذا مذکورہ بالا بحث کو پیش نظر رکھتے ہوئے بنکوں کو بھی روایتی طریقہ کو ترک کر دینا چاہیے اور افراد معاشرہ کو بلاسود اور آسان طریقے سے قرض فراہم کرنے کی راہیں تلاش کرنی چاہیے تاکہ ضرورت مند کی ضرورت کو مقدم جانا جائے نہ کہ اُسے ایک صارف شمار کیا جائے اور منافع کے حصول کے لیے للچاتی نظروں سے دیکھا جائے کہ جب تک فکر و نظر میں تبدیلی نہیں لائی جاتی تب تک سود سے بچا نہیں جا سکتا۔

زکوٰۃ بیسڈ نظام معیشت کے خدوخال پر اشکالات کا جائزہ:

عمومی طور پر زکوٰۃ کی بنیاد پر تشکیل دیے گیے معاشی نظام کی داغ بیل ڈالنے پر بحث زبان زد عام رہتی ہے کہ مسلم معاشرہ ہے، اکثریت اسلام کے ماننے والوں کی ہے لہذا ان کے باہمی تجارتی معاملات میں سود کا عمل ودخل نہیں ہونا چاہیے اور جو سودی نظام سرایت کر چکا ہے اسے جڑ سے اکھاڑنے کے لیے نظام زکوٰۃ کو فروغ دیا جانا چاہیے تاکہ شریعت اسلامیہ نے گردشِ دولت کے لیے جو فطری اصول مقرر فرمایا ہے اس سے مستفید ہوا جا سکے اور اللہ تعالیٰ ورسول اللہ ﷺ سے سود کی صورت میں طبل جنگ بجا رکھا ہے اُسے بند کیا جائے اور اِس کی نحوستوں سے خود و نسل نو کو محفوظ کیا جا سکے۔ مقالہ نگار کی رائے کے مطابق مذکورہ بالا دعویٰ و مطالبہ کے حق میں جتنے بھی افراد فکری و عملی سطح پر کوشاں ہیں اپنے اقوال میں حق بجانب ہیں اور قابل داد و تحسین کے مستحق ہیں لیکن شائد زمینی حقائق سے تجاہل عارفانہ کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں یا اس پہلو کی طرف لاشعوری طور پر اُن کی توجہ نہیں رہی جس سے سماجی سطح پر جو رکاوٹیں در پیش ہیں اُن سے لاعلمی کا پہلو نمایاں تر ہوتا ہے کہ جو مطالبہ کیا جا رہا ہے اور جس طرح کا دعویٰ زبان زد عام کرنے کی تگ و دو کی جا رہی ہے، اس کے لیے زمینی سطح پر کون کون سے رکاوٹیں کوہ گراں کی مانند ہیں جسے اٹھانا تو در کنار، اپنی جگہ سے جنبش دینا بھی جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف ہے اور جو مشکلات ہمالیہ کا روپ دھارے داعیین و مبلغین کا منہ چڑا رہی ہیں، انہیں سَر کرنا چنداں آسان نہیں لہذا زمینی حقائق سے آگاہی ضروری امر ہے جس کی طرف توجہ مرکوز کی جانی چاہیے۔ جس کے لیے مقالہ نگار کی طرف سے درجہ سوالات کو ترتیب دیا گیا ہے تاکہ اپنی سی کوشش کے ذریعے سود کے خلاف جدوجہد میں تھوڑا سا حصہ شامل کیا جا سکے جیسا کہ

1۔ نظام زکوٰۃ کو کامل طور پر فعال کرنے کے لیے فرد کے اثاثہ جات کا ڈکلیئر یعنی کہ منظر عام پر واضح ہونا ازحد ضروری ہے تاکہ ایک سال کا وقت گزرنے کے بعد نصاب کا تعین کیا جا سکے اور اُسی طے شدہ نصاب کی بنیاد پر زکوٰۃ کی مقدار مقرر کی جا سکے۔ کیا جتنے بھی سرمایہ دار ملک میں بستے ہیں انہیں متفق کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے اثاثے ڈکلیئر کریں، انہیں حکومتی سطح پر رجسٹرڈ کروائیں تاکہ نظام زکوٰۃ کو مکمل طور پر نافذ کیا جا سکے، فعال کیا جا سکے تاکہ اس نظام سے حاصل ہونے والی برکات کو سمیٹنے کا سبھی کو یکساں طور پر موقع ملے؟ مقالہ نگار کی رائے میں سو فیصد ایسا کر پانا ممکن نہیں۔

2۔ جب اثاثہ جات ڈکلیئر کر دئے جائیں گے تو حکومتی سطح پر اُن تمام سرمایہ دار افراد پر جائیداد کے لحاظ سے ٹیکس لاگو ہو جائے گا تو کیا سبھی صاحب ثروت لوگ اجتماعی طور پر پورا ٹیکس ادا کرنے کے لیے راضی ہو جائیں گے؟ مقالہ نگار اس پہلو سے بھی اتفاق نہیں کرتا۔

3۔ جب سالانہ بنیادوں پر سرمایہ داروں سے حکومت اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے بھاری بھرکم ٹیکسز اکٹھے کرے گی اور دوسری طرف شریعت اسلامیہ کی تعلیمات کے مطابق زکوٰۃ دینا بھی فرض ہو گا تو ایسے حالات میں لوگوں کو کیسے مطمئن کیا جاسکے گا کہ وہ دونوں پلڑوں میں وزن برابر رکھیں اور کیوں؟

4۔ حکومتی یا عدالتی سطح پر متفرق اقدامات نظام احتساب کو شفاف بنانے کے لیے اٹھائے جاتے ہیں لیکن تھوڑے ہی عرصہ گزرنے کے بعد منتظمین کی طرف سے ایسا تذلیل وتحقیر کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے کہ سرمایہ دار جان بچی سو لاکھوں پائے جیسی کیفیت میں مبتلا دیکھائی دیتے ہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ بدعنوانی، رشوت خوری اور کردار کُشی سے لوگوں کو مطمئن کیا جاسکے کہ ملکی سطح پر جو بھی نظام رائج ہو گا وہ انُہی کی بھلائی کی خاطر ہو گا پھر چاہیے اس کا تعلق رضاکارنہ انداز میں زکوٰۃ کو جمع کرنے سے ہی کیوں نہ ہو لہٰذا روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جس طرح سود کا تعلق ضرورت کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک فرد قرض لے گا یا اُسی سے ملتا جلتا معاملہ کرے گا تو سود زیر اثر آئے گا بعینہ زکوٰۃ کا معاملہ افراد کی مالی استطاعت سے منسلک ہے کہ لوگوں کا مال وزر محفوظ ہو گا اور بہتر طور پر نمو پائے گا تو ہی لوگ برضا ور غبت زکوٰۃ کی ادائیگی میں دلچسپی دیکھائیں گے۔

5۔ ایک اور پہلو کی طرف بھی توجہ مرکوز کیا جانا ضروری امر گردانا جانا چاہیے کہ ملک پاکستان کی عوام کے بارے میں عرف عام کی بات ہے کہ مسلم ممالک کی فہرست میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے حوالے سے ممتاز مقام رکھتا ہے کہ یہاں کی عوام سخاوت کرنے میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتی لیکن اسی سے جُڑا ہوا ایک پہلو بھی توجہ طلب ہے کہ جب اس قدر وسیع پیمانے پر افراد معاشرہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں تو پھر غربت ختم کیوں نہیں ہو رہی؟ لوگوں کی اجتماعی زندگی میں سُدھار کیوں نہیں آرہا؟ لوگ خود کفیل ہونے کی طرف سفر کیوں نہیں کر رہے؟ کیوں روز بروز خطِ غربت سے نیچے کی طرف لوگ پھسلتے جارہے ہیں؟ دیگر وجوہات سے صرف نظر کرتے ہوئے مقالہ نگار کی رائے کے مطابق اس میں زکوٰۃ کا نظام کا باقاعدہ منظم انداز میں رجسٹرڈ نہ ہونا بھی شامل ہے کیونکہ کونسا فرد کس شرح سے کتنی زکوٰۃ ادا کر رہا ہے اس کا کوئی ریکارڈ نہیں اور وہ فرد جس نے زکوٰۃ ادا کی تو کس شخص، ادارے کو کی اور کیوں کی؟ اور اُس شخص یا ادارے کی ملکی سطح پر کیا شناخت ہے اور سماج کو بہتر بنانے میں کیا کردار ہے تاکہ مثبت انداز میں جائزہ لیا جاسکے کہ ادا کی جانے والی زکوٰۃ کا مصرف کیا ہے اور جہاں خرچ ہو رہی ہے وہاں سے کیسے ثمرات حاصل ہو رہے ہیں لہٰذا متعدد سوالات اٹھائے جاسکتے ہیں جن کا حل صرف ایک ہی ہے کہ زکوٰۃ کے نظام کو رجسٹرڈ کیا جائے اور زکوٰۃ کے اہل افراد کی مکمل تفصیلات کے ساتھ فہرست بھی مرتب کی جائے تاکہ جیسے ہی وہ افراد زکوہ حاصل کرنے والوں کی فہرست سے باہر نکلیں تو انہیں صاحب حیثیت میں شمار کیا جائے اور دوبارہ اُن کے لیے زکوٰۃ کا حصول ممکن نہ رہے یا آسانی سے اس نظام سے مستفید نہ ہو سکیں جب تک قابلیت واہلیت میرٹ پر ثابت نہ کر دیں۔ یہ اقدامات اٹھانے ہوں گے تاکہ نظام زکوہ شفاف اور فعال ہو سکے اور افراد معاشرہ مکمل طور پر صحیح انداز میں استفادہ حاصل کر سکیں۔

6۔ ایسی حالات میں کہ جب پرچیوں کی صورت میں بھتہ وصول کرنا عام سی بات ہو، حفاظتی انتظامات غیر یقینی ہوں اور صورت حال بگڑنے کے بعد اپنی جان کے لالے پڑ جائیں اور لامحالہ تاجر یا سرمایہ داروں کو مطلوبہ رقم ادا کرنے اور اس کے ساتھ ساتھ جان خلاصی کروانی پڑے تو پھر کیسے ذہنی یکسوئی دلائی جائے کہ حکومت کو بھی ٹیکسز دیں، شریعت کے حکم کی بھی اتباع کریں اور بھتہ خوروں کے مطالبات بھی جان بچانے کے لیے لازمی پورے کیے جائیں اور سماج میں نظام زکوٰۃ کو لاگو کرنا منزل مقصود ومطلوب ہو۔ تو یہ سب کیسے ممکن ہو پائے گا، اِن تمام جہات پر اٹھنے والے سوالات وخدشات کا رفع کیا جانا از حد ضروری امر ہے جس کے بغیر سرمایہ پوٹلی سے باہر نہیں لایا جاسکتا اور جب تک سرمایہ خوف زدہ ہو گا تب تک نظام زکوٰۃ کا نفاذ یقینی نہیں بنایا جاسکتا، اسے صرف دیوانے کی بڑ ہی قرار دیا جاسکتا ہے لہٰذا سماجی سطح پر ایسے شعور کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے جس کے ذریعے افراد کو یقین دلایا جاسکے کہ انہیں مشکل یا آزمائش پیش آنے کی صورت میں معاشرتی سطح پر ایسا نظام رائج ہے کہ وہ مالی معاملات کو احسن انداز سرانجام دے سکتے ہیں، انہیں کسی بھی بنک میں قرض کے حصول کے لیے سود کی شکل میں اضافی رقم ادا نہیں کرنی پڑے گی یا کسی ساہوکار کے مطالبات تسلیم کرتے ہوئے مدتوں اقساط کی چکی میں نہیں پسنا ہو گا اور حالات وواقعات سے مجبور ولاچار ہو کر ڈاکہ یا چوری چکاری جیسے قبیح فعل نہیں کرنا پڑے گا اور نہ ہی کسی کی جان کو خطرے میں مبتلا کرنے کی نوبت آئے گی تاکہ بھتہ وصولی کی ریت کو توڑا جاسکے۔ جب یہ سبھی معاملات باہم مربوط ہو جائیں گے لوگ خود کو اور اپنے سرمائے کو محفوظ ہونے کا کامل یقین کر لیں گے تبھی سرمایہ ایک جگہ پر ٹِک پائے گا اور کھلے بازار کا حصہ بنے گا تبھی تاجر حضرات، کھل کر تجارتی عمل کر سکیں گے اور حکومت کی طرف سے عائد کئے

گیے جائز ٹیکسز کے ساتھ ساتھ شریعت اسلامیہ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے دنیوی واخروی دونوں جہانوں میں اجر وثواب ملنے کی توقع لیے زکوۃ کی ادائیگی کو بروقت یقینی بنائیں گے اور پھر وہی نظام کامل صورت میں ثمر بار ہو گا جس کا تذکرہ بحث کے آغاز میں کیا گیا ہے۔

بنکاری نظام میں اصلاحات کا نفاذ:

عصر حاضر میں بینکنگ سسٹم معاشی نظام میں ریڑھ کی ہڈی جیسی حیثیت رکھتا ہے اس کے بغیر انفرادی واجتماعی یا قومی اور بین الا قوامی سطح پر کسی بھی طرح کے لین ودین کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچایا جاسکتا کیونکہ ایک طرف اس نظام نے بہت ساری سہولیات دی ہیں جیسا کہ کسی بھی قسم کی کرنسی کو بھاری بھرکم ڈبوں میں رکھ کر سفر کرنا یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے جیسے مراحل کو سکرین کے ایک ٹچ تک محدود کردیا ہے تو دوسری طرف ایسی خدمات کے ضمن میں بہت سارے چارجز کا اطلاق بھی عمل میں آتا ہے لہذا ایسا کہا جاسکتا ہے کہ جہاں ایک طرف سہولیات دی گئی ہیں وہیں ان سہولیات کے بدلے میں بہت سارے چارجز بھی ادا کرنے پڑتے ہیں لیکن اس نظام میں ابھی بھی کئی خامیاں ہیں جن کے بارے میں صارفین وقتاً فوقتاً شکوک وشبہات کا اظہار کرتے ہیں کہ جب اکاؤنٹ کھلوایا گیا تھا تب اس طرح کے اخراجات کے بارے میں آگاہی نہیں دی گئی تھی اور اب اچانک کسی بھی وقت پیغام موصول ہو جاتا ہے کہ اتنی رقم فلاں مد میں منہا کرلی گئی ہے لہذا ایسے اقدامات ایک طرف صارف کو بدظن کرتے ہیں کہ انہیں بروقت آگاہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی اُن سے کسی طرح کی اجازت لینا گوارہ کیا گیا ہے۔

تو دوسری طرف کیا کسی بھی بینکنگ سسٹم کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی بھی فرد کی رقم سے بتلائے بغیر اپنی مطلوب رقم کو کاٹ لے اور صارف کو صرف اطلاع دی جائے حالانکہ ایسا اختیار اُسے نہیں دیا گیا اور اگر یہ جواز فراہم کیا جائے کہ بنک کے سربراہان نے مختلف پالیسیز کے ذریعے حکومتی نمائندوں یا وزیروں سے یک رُخی اجازت حاصل کی ہوئی ہے چاہیئے اس کی کوئی بھی صورت ممکن ہو جیسا کہ کوئی ایک اصلاحاتی ایجنڈا تیار کرکے کسی بھی حکومتی سطح پر موجود بااختیار وزیر سے منظور کروالیا جائے تو کیا اُس وزیر کے دستخط سے بنک کے لیے صارف کے کھاتے سے رقم نکالنا درست عمل گردانا جائے گا یا کسی بھی بجٹ میں منظور کی گئی شق سربراہان مملکت کو یہ اختیار دے دیتی ہے کہ وہ کسی بھی صارف کے کھاتے سے ٹیکسز یا چارجز کی شکل میں جتنی چاہیں رقم منہا کرلیں؟ کیا ایسا طرزِ عمل صارفین کے حق میں صحیح گردانا جائے گا؟ کیا کسی بھی قانونی شق کے مطابق کبھی بھی ٹیکسز یا چارجز کی حدود میں اضافہ کیا جانا ممکن ہے؟ اور اگر کوئی شق کسی بھی وزیر یا مشیر یا بنک کو سپورٹ کرتی ہے تو پھر وہ شق صرف بڑھوتری کے زمرے میں ہی کیوں کارگر ثابت ہوتی ہے، کمی کرنے کے لیے ایسی شقوں کو کیوں قانون کا حصہ نہیں بنایا جاتا کہ کسی وقت لاگو شدہ چارجز میں کمی کر دی جائے کہ اور صارف کی اجازت جس طرح رقم منہا کرتے وقت پیش نظر نہیں رکھی جاتی ویسے ہی ان چارجز کو واپس کرتے ہوئے بھی درکار نہیں ہوتی تو پھر یک طرفہ فیصلہ ہی کیوں نافذ کیا جاتا ہے دوطرفہ کیوں نہیں؟ اور اس ذریعہ سے منہا کی گئی رقم کیا بنک کے لیے جائز قرار دی جاسکتی ہے یا نہیں اور اگر جائزہ قرار دے دی گئی ہیں تو اس کی کیا وجوہات مقرر کی گئیں ہیں؟ اور کس کی اجازت سے انہیں جائز ٹھرایا گیا ہے؟ اور اگر ایسی شرائط کو نافذ کیا گیا ہے تو کسی بھی صارف اکاؤنٹ کھلواتے وقت اُسے اچھی طرح آگاہ کیوں نہیں کیا جاتا کہ اِن اِن شرائط کے مطابق اکاؤنٹ کھولا جارہا ہے اگر یہ تمام شرائط برضا ورغبت منظور ہیں تو ہی اکاؤنٹ کھلوائیں ورنہ معذرت قبول کریں جبکہ حقیقت حال اس کے برعکس دیکھائی دیتی ہے کہ کھاتہ کھلواتے وقت کسی نہ کسی طرح صارف کو مائل کرلیا جائے کہ یہ یہ سہولیات فراہم کی جاتی ہیں تاکہ صارف مطمئن ہو جائے اور بعد میں جس طرح چاہیں کٹوتیاں کرتے رہیں تاکہ ہیڈ آفس کو کھاتہ داروں کی لمبی وچوڑی فہرست دیکھا کر اپنی کارکردگی ظاہر کی جائے اور ترقی کی منازل کی طرف سفر کو تیز تر کیا جائے اور رہا صارف تو اُس کے مفادات کو نہ کبھی حکومت نے مقدم جانا ہے، نہ کبھی عدالت کی طرف سے سنجیدگی کا اظہار کیا گیا ہے تو پھر بنک والے کس طرح اُنہیں پیش نظر رکھیں لہذا ایک سلسلہ ہے دولت کمانے کا اُسے چلتے رہنا چاہیے اور مستقل چلتے رہنا چاہیے۔

اسی طرح جب ایک بنک میں کھاتہ کھُل جاتا ہے تو اُس کے بعد خدمات کے ضمن میں ڈیبٹ کارڈ وکریڈٹ کارڈ کا تذکرہ بھی آتا ہے۔ کریڈٹ کارڈ کے بارے میں بعد میں گفتگو کی جاتی ہے لیکن پہلے ڈیبٹ کارڈ کو زیر بحث لایا جاتا ہے کہ یہ ایک ایسی سروس (service) ہوتی ہے جس کے ذریعے کوئی بھی کھاتہ دار کسی بھی جگہ سے رقم نکلوا سکتا ہے تاکہ اُسے متعلقہ بنک میں آنے کی زحمت گوارہ نہ کرنی پڑے اور اپنی ضرورت کے مطابق جہاں سے چاہے جتنی مقدار میں رقم درکار ہو نکلوالے۔ اس عمل سے جہاں صارف کو سہولت مل گئی وہیں بنک کے لیے بھی آسانی پیدا ہو گئی کہ بنک میں عوام کی کثیر تعداد کو نہیں آنا پڑا اور اگر ہر صارف بنک میں ہی آکر مطلوبہ رقم نکلوائے تو بنک کے عملے پر

کام کا کافی بوجھ بڑھ جائے اور وہ صرف صارفین کے مطالبات کو پورا کرنے میں ہی سارا دن صَرف کر دیں جس سے دیگر امور کی لئے درکار وقت ہی نہ بچے لیکن اس سارے عمل کو بھی صارف کے کھاتے میں ڈال دیا گیا ہے کیونکہ وہ ایک سہولت سے مستفید ہو رہا ہے لہذا اس کے بدلے میں بھاری بھرکم چارجز ادا کرنے ہوں گے۔

پہلے پہل اس مد میں تھوڑی سی رقم کاٹ لی جاتی تھی لیکن اب وہ بھی کم و پیش 4000 سے 4500 روپے سالانہ کے قریب پہنچ چکی ہے تو کیا ایک صارف اتنی زیادہ ٹرانزکشنز کرلیتا ہے کہ اسے سالانہ 4500 روپے تک چارج کیا جائے؟ امراء کے طبقے کو استثناء دیتے ہوئے سوال اٹھایا جائے کہ کیا تنخواہ دار طبقہ بھی اُسی سلوک کا مستحق ہے جس طرح کا رویہ امراء اور بڑے بڑے کاروباری معاملات کرنے والوں کے ساتھ اپنایا جاتا ہے۔ کیا وہ سبھی افراد بھی اسی دائرہ میں آتے ہیں جنہوں نے محدود مقدار میں رقوم منتقل کرنی ہوں اور انہیں بھی برابر کے چارجز کا سامنا کرنا پڑے جبکہ ہر ٹرانزکشن کے الگ سے چارجز ادا کئے جاتے ہیں اور جب ایک وقت میں نکلوائی کی گئی رقم پر چارجز ادا کر دئے تو پھر سالانہ کس مد میں کاٹ لئے جاتے ہیں اور اگر سالانہ بنیادوں پر ہدایات لاگو کی گئی ہیں تو پھر روزانہ یا ماہانہ بنیادوں پر جو ٹرنزکشنز ہو رہی ہیں اُن پر کیوں کٹوتی کیجاتی ہیں لہذا اس حوالے سے بھی صارفین کے اعتراضات کا قلع قمع کیا جانا چاہیے نہ کہ یک طرفہ فیصلے نافذ کئے جائیں اور پھر لوگوں کو مطمئن بھی رکھا جائے کہ وہ سود سے سماج کو پاک کرنے میں اپنا عملی کردار ادا کریں جبکہ دوسری طرف بینکنگ سسٹم اور حکومتی نظام ہر لحاظ سے من مانی مرضیاں نافذ کرتے ہوئے جس طرح چاہے، جتنی دفعہ چاہیے کٹوتیاں کرتا رہے اور صارف کے اختیار میں سوائے شکوہ و شکایت کے کچھ نہ بچے تو ایسے حالات میں کم سرمایہ رکھنے والوں کو قائل و مائل کرنا ممکنات میں سے نہیں کہ جو بچت انہوں نے کرنی ہوتی ہے اُسے بینکنگ سسٹم کے ذریعے زور وزبردستی ان کے کھاتوں سے بغیر اجازت کے منہا کر لیا جاتا ہے جو کہ کسی بھی طرح درست عمل قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی اس عمل سے حاصل ہونے والی رقم جائز تسلیم کی جاسکتی ہے کیونکہ ایک بنک کارڈ 3 سے 4 سال تک کے عرصے کے لئے بنایا جاتا ہے جس سے لئے یکبار چارجز لاگو کئے جائیں تو الگ بات ہے لیکن ایک ہی تیار شدہ کارڈ کی مد میں سالانہ بنیادوں پر کٹوتی کرنا کس شق کے تحت جائز قرار دیا جاسکتا ہے اور اس کی کیا ممکنہ وجوہات ہو سکتی ہیں؟

اسی طرح کریڈٹ کارڈ بھی سودی نظام کو بڑھوا دینے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے کہ پہلے پہل صارف کو یقین دلایا جاتا ہے کہ اس کارڈ کے ذریعے بوقت ضرورت مخصوص رقم تک خریداری کی جاسکتی ہے اور جتنی رقم سے خریداری کی جائے گی بعد میں محدود دنوں کے اندر اُسے لوٹانا ہوگا ورنہ اُس پر چارجز لاگو ہوں گے لہذا اُن چارجز سے بچنے کے لیے طے شدہ وقت میں درکار رقم جمع کر دیجئے گا تاکہ کسی بھی قسم کی پریشانی سے بچا جاسکے۔ یہ ایک مکڑی کا جال نما پھندا ہوتا ہے جس میں صارف کو دھیرے دھیرے پھنسایا جاتا ہے اور جب وہ ایک بار پھنس جاتا ہے تو پھر بچ کر نکلنا چنداں آسان نہیں ہوتا کہ اگر مطلوبہ رقم وقت پر ادا نہیں کی تو اگلے ہی دن اُس پر چارجز لاگو ہو جائیں گے اور پھر وہ چارجز حتمی نہیں ہوں گے، کچھ دنوں بعد اُن لاگو شدہ چارجز پر مزید چارجز لگائے جائیں گے اور پھر کچھ اور دن گزرنے کے بعد اُن میں اضافہ در اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور صارف پھر اُن اضافہ جات کی ادائیگی میں ہلکان ہو جائے گا بالکل ویسے ہی جیسے کوئی بھی بندہ کسی سے ادھار رقم لے لے اور اُس پر سود بڑھتا ہی چلا جائے جبکہ اصل رقم ابھی بھی باقی پڑی ہو، بعینہ کریڈٹ کارڈ کے صارفین کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔

سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ڈیبٹ کارڈ وہ دیگر خدمات کے چارجز ملا کر سالانہ بنیادوں پر 4500 روپے تک رقم منہا کر لی جاتی ہے تو پھر کریڈٹ کارڈ پر الگ سے چارجز کیوں لگائے جاتے ہیں جو کارڈ کی ایکٹیویٹ ہوتے ہی کاٹ لیے جاتے ہیں یا اکثر اوقات کارڈ کے استعمال کئے بغیر بھی کاٹ لیے جاتے ہیں جن کے بارے میں صارف کو اطلاع نہیں ہوتی یا اطلاح دی ہی نہیں جاتی اور جب وہ چارجز کاٹ لئے گیے تو پھر ٹرانزکشنز کرنے کے اوپر دوبارہ سے چارجز کاٹ لئے جاتے ہیں وہ کس مد میں کاٹے گئے؟ اور اگر تب چارجز کاٹ لئے تو پھر استعمال کی گئی رقم کے اوپر کیوں چارجز کا اضافہ کیا گیا؟ اور اگر ایکبار اضافہ کر دیا گیا تو بار بار کیوں اضافہ کیا جاتا ہے جو کہ سود کے زُمرے میں آتا ہے۔ لہذا ایک طویل سلسلہ ہے جو سودی نظام کو سپورٹ کرتا ہے اور جس کو بڑھاوا دینے میں اُسی بنک عملے کا بنیادی کردار ہے جو لوگوں کو اطمینان قلب دینے میں ید طولیٰ رکھتا ہے کہ اُن سے بڑھ کر صارفین کا کوئی اور خیر خواہ نہیں اور جب ایک صارف پر حقائق منکشف ہوتے ہیں تو اس نظام سے چھٹکارا پانے کے لئے کی گئی توبہ و تائب بھی کسی کام نہیں آتی کیونکہ وہ اُس مکڑی کے جال میں بُری طرح پھنس چکا ہوتا ہے جس کا حتمی نتیجہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن جیسی صورت کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

نتائج بحث:

اگرچہ پاکستان میں سود کے خاتمے کے لیے آئینی، عدالتی اور حکومتی سطح پر قابلِ ذکر اقدامات کیے گئے ہیں جیسکہ وفاقی شرعی عدالت کا2022ء کا فیصلہ، اسٹیٹ بینک کی اسلامی بینکاری پالیسی، اور اسلامی مالیاتی اداروں کا قیام تاہم سودی نظام کا مکمل خاتمہ اب بھی ایک نامکمل خواب ہے اور یہ اس بات کا اظہار ہے کہ عملی نفاذ کی راہ میں کئی داخلی (Internal) اور خارجی (External) رکاوٹیں موجود ہیں، جن کا تذکرہ اختصار کے ساتھ درجہ ذیل میں کیا جارہا ہے۔

1۔ داخلی رکاوٹیں :

داخلی سطح پر موجود رکاوٹوں کو مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے زیر بحث لایا گیا ہے جیسا کہ

(الف) قانونی وانتظامی تضادات:

پاکستان کے مالیاتی قوانین میں اب بھی "Interest" کی اصطلاح متعدد جگہوں پر استعمال ہوتی ہے اور ان قوانین میں شرعی اصطلاحات مثلاً "منافع" یا "اجارہ" شامل نہیں، جس سے تضاد پیدا ہوتا ہے لہذا عدالتی فیصلوں کے باوجود ان قوانین میں عملی ترامیم نہ ہونے کے باعث دوہرا نظام (Dual Banking System) برقرار ہے جس کی اصلاح کے لئے سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کیا جانا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ جامع سود مخالف قانون سازی کے ضمن میں تمام مالیاتی قوانین سے "Interest" کی اصطلاح ختم کرکے "Profit and Risk Sharing" پر مبنی اصطلاحات اختیار کی جانی چاہیے۔

(ب) انتظامی سست روی:

وفاقی اور صوبائی سطح پر سودی نظام کے خاتمے کے لیے بنائی گئی کمیٹیوں کی سفارشات اور اصلاحاتی نکات اکثر عملی نفاذ کے بغیر فائلوں میں محدود رہتے ہیں اور اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے تحت جاری کردہ "Islamization Roadmap" پر پیش رفت بھی سست روی کا شکار رہتی ہے جبکہ اس پر عمل درآمد کو تیز تر کیا جانا چاہیے۔ اسی مسلہ کے پیش نظر مرکزی شرعی اتھارٹی کا قیام ناگزیر صورت حال اختیار کر گیا ہے جس کے تحت اسلامی بینکاری کے تمام اداروں کے لیے ایک مرکزی شریعہ سپروائزری کونسل بھی تشکیل دی جانی چاہیے۔

(ج) عوامی شعور اور تعلیمی فقدان

عام عوام، خصوصاً دیہی طبقہ، کو اسلامی بینکاری کے اصولوں اور سودی نظام کے نقصانات سے مکمل آگاہی نہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بینکوں کے عملے میں بھی بعض اوقات شرعی اصولوں کے محدود فہم ہونے کے باعث غلط فہمیاں پیدا ہونا معمول عام کی بات ہے جس کا بنیادی سبب تعلیمی نصاب میں "اسلامی معاشیات" کا مضمون ابھی بھی معلوماتی سطح کی حدود تک پڑھایا جاتا ہے لہذا اس طرف بھی توجہ مرکوز کی جانی چاہیے

(د) مالیاتی اداروں کا منافع پر انحصار:

بہت سے بینک اور کارپوریٹ ادارے فکسڈ ریٹرن (Guaranteed Profit) پر کام کرنے کے عادی ہیں اور اسلامی بینکاری کے نفع و نقصان میں شراکت (Profit and Loss Sharing) ماڈل کو "غیر یقینی" صورت حال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ نتیجتاً بینک انتظامیہ اب بھی "روایتی سودی شرحوں" کو بنیاد بناتی ہے اگرچہ اسے "منافع" کا نام دیا جاتا ہے۔ لہذا ایسے عوامل کی کامل طور پر بیخ کنی کرنے کے لیے IMF اور عالمی اداروں کے ساتھ طے شدہ معاہدات کو از سر نو تشکیل دیا جانا چاہیے جس کے لیے بنیادی قدم پاکستان کو اسلامی فنانس پر مبنی بین الاقوامی قرضہ جاتی ماڈل (مثلاً Sukuk-based lending) اپنانے کی صورت میں اٹھایا جاسکتا ہے۔

2۔ خارجی رکاوٹیں:

خارجی سطح پر موجود رکاوٹوں کو مندرجہ ذیل جہات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(الف) بین الاقوامی مالیاتی نظام کا دباؤ:

عالمی مالیاتی ادارے اپنی قرضہ جاتی پالیسیوں میں Interest-Based Framework استعمال کرتے ہیں جبکہ پاکستان کی معیشت ان اداروں پر جزوی طور پر انحصار کرتی ہے، اس لیے سودی نظام کو مکمل ترک کرنا مالیاتی خطرے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر IMF کے بیل آوٹ پیکیج کے تحت طے شدہ شرائط میں "Monetary Policy Interest Rate" کا تعین مرکزی حیثیت رکھتا ہے جسے کسی بھی صورت بیک جنمبش قلم ختم نہیں کیا جاسکتا اور نہ اُسے پس پشت ڈال کر قومی

بجٹ ترتیب دیا جاسکتا ہے لہٰذا دیگر مسائل میں سے اہم ترین مسلہ یہ بھی ہے جو ملکی کارکردگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ سود کو مکمل طور پر ختم کرنے کے لیے سنجیدہ لائحہ عمل مرتب کرنا ہوگا جس میں مذکورہ بالا خدشات کو مدنظر رکھتے ہوئے بین الاقوامی اداروں سے تعلقات کی نوعیت کو از سر نو ترتیب دیا جانا چاہیے تاکہ مطلوب ومقصود منزل کی طرف سفر طے کرنے میں تعمیری صورت میں پیش رفت ہو سکے۔

(ب) غیر یقینی سرمایہ کاری ماحول:

سودی نظام سے تبدیلی کے دوران سرمایہ کاروں میں خوف پایا جاتا ہے کہ "اسلامی ماڈل" میں منافع کم یا غیر مستحکم ہوگا۔ غیر ملکی سرمایہ کار "Risk-Sharing" ماڈل کو پیچیدہ سمجھتے ہیں نتیجتاً، غیر ملکی سرمایہ کاری میں کمی واقع ہو جاتی ہے لہٰذا جو قوانین سرمایہ و سرمایہ دار کو تحفظ فراہم کریں کو منظم و مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں مثبت انداز میں نافذ بھی کرنا ہوگا تاکہ ملکی و بین الاقوامی سرمایہ کار اپنے سرمائے کو محفوظ خیال کرتے ہوئے بے فکری کے ساتھ تجارتی معاملات کو نمٹائیں اور بے یقینی کی صورتِ حال کا خاتمہ کیا جاسکے۔

ادارہ جاتی اور فکری رکاوٹیں:

(الف) یکساں پالیسی کی کمی

حکومت، اسٹیٹ بینک، وزارتِ خزانہ، اسلامی نظریاتی کونسل، اور نیشنل بینک کے درمیان پالیسی سازی کے مراحل میں کامل ہم آہنگی نہیں پائی جاتی۔ مختلف ادارے اپنے اپنے دائرہ کار میں کام کرتے ہیں، مگر ایک جامع National Interest-Free Finance Policy ابھی بھی تکمیل کے مراحل سے کوسوں دور پڑی ہے اور مستقبل قریب میں بھی کوئی آثار دیکھائی نہیں دیتے لہٰذا ایسے خلا کو جلد از جلد پُر کرنے کی تگ و دو کرنی چاہیے تاکہ 78 سالوں سے جس منزل کے حصول کے لیے کچھوے کی چال کے مثل قدم اٹھائے جارہے ہیں اُن میں تیزی آئے اور منزل قریب تر ہونے لگے ۔

(ب) شرعی نگرانی میں تضاد:

اسلامی بینکوں کے Shariah Boards کے فیصلے بعض اوقات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں جس کی وجہ سے کسی متفقہ Central Shariah Supervisory Authority کی غیر موجودگی میں شرعی معیاروں میں فرق آجاتا ہے لہٰذا یہ تضاد بھی قابل توجہ عمل ہے جس کی طرف اذہان کو راغب کیا جانا چاہیے تاکہ یکسوئی حاصل ہو اور طے شدہ عوامل کو مثبت و تعمیری طرز پر نافذ کیا جاسکے۔

(ج) سماجی و نفسیاتی رکاوٹیں:

عوام میں یہ عام تاثر پایا جاتا ہے کہ "اسلامی بینکاری بھی دراصل سودی بینکاری ہی ہے، صرف نام بدلا گیا ہے" اس تاثر کی وجہ شفافیت کی کمی اور بینکوں کی جانب سے شرعی پہلوؤں کی کم تشہیر بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بعض مذہبی حلقے بھی بینکاری نظام پر مکمل اعتماد نہیں کرتے، جس سے اعتقادی شکوک پیدا ہوتے ہیں لہٰذ بھرپور انداز میں عوامی آگاہی مہم کا آغاز کیا جانا چاہیے اور الیکٹرانک، پرنٹ، سوشل میڈیا و تعلیمی اداروں کے ذریعے یہ شعور عام کیا جائے کہ سودی نظام کے نقصانات صرف مذہبی نہیں بلکہ معاشی اور سماجی تباہی کا سبب بھی ہیں جس کا چلن عام ہونے سے اجتماعی ترقی کو گھن لگ جاتی ہے لہٰذا اس سے بچنے کی حتی الوسع کوشش کی جانی چاہیے۔

مختصراً کہا جائے تو پاکستان میں سود کے خاتمے کی کوششیں ایک مثبت سمت میں بڑھ رہی ہیں، مگر قانونی تضادات، انتظامی سست روی، عالمی مالیاتی دباؤ، اور فکری اختلافات اس کے مکمل نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں اور اسلامی معیشت کا حقیقی نفاذ صرف اس وقت ممکن ہو گا جب ریاست، عدلیہ، مالیاتی ادارے، اور عوام اجتماعی ارادے کے ساتھ سودی نظام کے مکمل خاتمے یا اس سے علیحدگی اختیار کرنے کا پختہ تہیہ کرلیں گے۔